نصرۃ میگزین

ربیع الثانی-جمادی الاول 1444ھ نومبر—دسمبر 2022ء

شمارہ-69

شرعی نصوص کی روشنی میں جہاد کا مفہوم

خلیفہ کی رائے اختلاف کو ختم کرتی ہے

جنس، مبہم جنس، مخنث اور خواجہ سراؤں کے متعلق اسلامی احکامات

وہ تمام لوگ جو امریکی غلامی سے نجات کی خواہش رکھتے ہیں،

انہیں لازماً 'نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت' کے قیام کی

جدوجہد کرنی چاہیے

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(233-235) 7

جنس، مبہم جنس، مخنث اور خواجہ سراؤں کے متعلق اسلامی احکامات 18

یہی وقت ہے کہ اسلامی خلافت مغرب کے ساتھ جاری تہذیبی تصادم کو ختم کر کے انسانیت پر سے ظلم کا خاتمہ کر دے (حصہ دوئم) 26

شرعی نصوص کی روشنی میں جہاد کا مفہوم 42

بیسویں صدی میں مشرق وسطیٰ میں بین الاقوامی دشمنی 66

اسلامی نقطہ نظر کا مرد و عورت کے تعلق پر اثر 84

امام (خلیفہ) کی رائے اختلاف کو ختم کرتی ہے 90

وہ تمام لوگ جو امریکی غلامی سے نجات کی خواہش رکھتے ہیں، انہیں لازماً 'نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت' کے قیام کی جدوجہد کرنی چاہیے 109

عربی زبان اسلام کا بنیادی حصہ ہے جسے الگ نہیں کیا جا سکتا 114

سوال کا جواب: یوکرین میں روسی جنگ کے اثرات 118

سوال کا جواب اسلامی عقیدے کی تعریف اور متکلمین 129

سوال و جواب: سونا بیچنا 140

پاکستان کے ایٹمی ہتھیار دشمنوں کے خلاف امت اسلامیہ کی ڈھال ہیں 147

اداریہ

بحیثیت مسلمان، ہم ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں جو انتہائی حد تک بدل چکا ہے جبکہ ہم اپنے دین کے لحاظ سے اسے ایک خاص طرح سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے اِرد گرد ہر طرف بڑی بڑی تبدیلیاں رُونما ہو رہی ہیں۔ دنیا کی بڑی طاقتوں، روس، چین اور امریکہ کے مابین تنازعات واختلافات نے عالمی منظر نامے کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ چند افراد کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز نے جہاں ایک طرف تو باقی تمام انسانوں کے لئے شدید معاشی مشکلات کھڑی کر دی ہیں، وہیں دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام پر اعتماد پر بھی سوال اٹھا دیے ہیں۔ مسلمانوں اور ان کی اقدار پر ہونے والے حملوں، اور مسلمانوں میں اپنے دینِ حق کے حوالے سے والہانہ لگاؤ نے، اسلام کو ایک مرکزِی موضوع بنا دیا ہے۔

اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائیں تو نظر آتا ہے کہ ہر کوئی کسی نہ کسی لحاظ سے ایک خاص تبدیلی کی راہ تک رہا ہے، یا اُمید لگائے بیٹھا ہے اور یا پھر اس تبدیلی کے لئے کام کر رہا ہے۔ اس خاص تبدیلی کے لئے ہم اس حکمرانی کی طرف نگاہ کیے ہوئے ہیں جو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق ہو۔ ہم ایسے حکمرانوں کی امید کر رہے ہیں جو صرف قرآنِ پاک اور سنتِ رسول ﷺ کی اِتّباع کرتے ہوں۔ اور اس کے لئے ہم نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے قیام کے لئے کام بھی کر رہے ہیں۔ تو ہم اس مقصد تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ یہ ایک انتہائی مشکل اور غیر واضح کام نظر آتا ہے۔ لہٰذا، آئیں، اس سے شروع کرتے ہیں جو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور پھر ان معاملات کی طرف بڑھیں جن پر ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے، اور پھر اس سے بھی آگے۔

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **« لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ »** **"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک**

کہ میں (اللہ کا رسول) اس شخص کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں" (بخاری و مسلم)۔ ہم رسول اللہ ﷺ سے حد درجہ محبت کرتے ہیں جس کا اظہار ہماری ربیع الاول کے موقع پر ہونے والی تقاریر سے بھی بارہا ہوتا ہے۔ اب چونکہ محبت کا مطلب، آپ ﷺ کی اطاعت کرنا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول ﷺ پر وحی نازل کی ہے تو غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد کی عالمی طاقتوں، روم و فارس، کو جب آپس میں ٹکراتے دیکھا تو کیا ردِ عمل کیا؟ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سرداروں کو بازاروں میں یتیموں کو دھکے مارتے اور دھوکہ دہی کرتے دیکھا تو آپ ﷺ کا رویہ کیسا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے کیا عمل اختیار کیا جب بلالؓ کو تپتی دھوپ میں بھاری پتھر تلے رکھ دیا جاتا تھا اور خبیبؓ کو گرم سلاخوں سے داغ دیا گیا؟

پس ہمیں یہ صاف صاف واضح ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا مطلب آپ ﷺ کی اطاعت کرنا ہے۔ اور صدیوں سے رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے مستند علماء سے یہی بات ثابت ہے۔ ازہریؒ فرماتے ہیں، **محبةُ العبد لله ورسوله تعني طاعتُه لهما، واتباعه أمرهما** "ایک بندے کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا مطلب ان کی اطاعت اور ان کے حکم کی تعمیل کرنا ہے"۔ البیضاوی فرماتے ہیں، **المحبة إرادة الطاعة** "محبت کا مطلب، اطاعت پر راضی ہونا ہے"۔ ابنِ عرفہ فرماتے ہیں، **المحبة، عند العرب، إرادة الشيء على قصد له** "عربوں کی زبان میں محبت کا مطلب، کسی معاملے پر راست بازی کے ساتھ راضی ہونا ہے"۔ الزجاج فرماتے ہیں، **ومحبة الإنسان لله ورسوله طاعته لهما، ورضاه بما أمر الله سبحانه به، وأتى به رسول الله** "کسی انسان کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا مطلب، ان کی اطاعت کرنا، اللہ کے احکامات کو اور ان سب باتوں کو قبول کرنا ہے جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں"۔ لہٰذا آئیں اور اس کو سمجھیں، قبول کریں اور اسی کو نافذ کریں، آج اور ابھی۔

تو ہم اپنے اِن حالات میں رسول اللہ ﷺ سے، جن سے ہم بے حد محبت کرتے ہیں، ان کی اطاعت کیسے کریں؟ تو اسوۂ رسول ﷺ ہی سب سے بہترین اور افضل مثال ہے۔ آپ ﷺ کے قول، فعل اور کسی عمل پر رضامندی ہی

اس کی مثال ہیں۔ تو ہمیں تبدیلی یعنی حقیقی تبدیلی کے لئے اپنا راستہ ترتیب دیتے ہوئے اسوۂ رسول ﷺ کی جانب ہی دیکھنا ہے۔ آپ ﷺ جوان اور بڑے بوڑھے صحابہؓ کو دارِ ارقم میں اکٹھا کیا کرتے اور انہیں دین سکھاتے، صحابہؓ نے آپ ﷺ کی صحبت میں تربیت حاصل کی، یہاں تک کہ وہ خود ہدایت کے روشن مینار بن گئے۔ کیا ہم بھی ایسا کر رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوئے، علی الاعلان معاشرے کو مخاطب کیا۔ کیا ہم اس مثال سے اپنے لئے کچھ حاصل کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے معاشرے کے بااثر افراد سے رابطہ کیا جو کہ اسلام کی دعوت کے مضبوط ستون بن کر ظاہر ہوئے، جیسا کہ عمر فاروقؓ۔ ہم کتنی بار ایسی ملاقاتیں کرتے ہیں؟ اور آپ ﷺ نے اہلِ قوت یعنی اہلِ نصرہ سے اسلام کے نفاذ کے لئے نصرہ فراہم کرنے کے لئے ملاقاتیں کیں۔ کیا ہم نے فوجی افسران، جنہیں ہم میں سے بہت سے جانتے ہیں، ان کے حوالے سے کبھی اس پہلو پر بھی غور کیا ہے؟

یہ وقت ایک بڑی اہم اور عظیم تبدیلی کا ہے اور ہم ایک خاص تبدیلی چاہتے ہیں۔ اُٹھیں اور خاموش تماشائی بن کر نہ بیٹھے رہیں۔ آئیں اور اس تبدیلی کا حصہ بنیں۔ جی ہاں اور بے شک ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ہی توکل رکھتے ہیں، لیکن یہ توکل ہمیں اپنے اعمال سے غفلت برتنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آئیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے نصرہ کی دعا مانگیں لیکن صرف دُعا پر ہی اکتفانہ کرلیں۔ اُٹھیں اور عمل کریں، حصہ ڈالیں، شریک ہوں اور ثواب کے مستحق بنیں۔ اس کام کو دوسروں پر نہ چھوڑ دیں اور نہ ہی دوسروں کا انتظار کریں، آئیں اور خود سے اس کام کو کریں، رسول اللہ ﷺ سے محبت کی خاطر، اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا حقدار بننے کے لئے۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، « يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ **وَمَا أَعْدَدْتَ لِلسَّاعَةِ**. قَالَ حُبَّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ قَالَ **فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ**. قَالَ أَنَسٌ فَمَا فَرِحْنَا بَعْدَ الإِسْلاَمِ فَرَحًا أَشَدَّ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ فَأَنَا أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِأَعْمَالِهِمْ » "اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کی گھڑی کب

آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **تم نے اس کے لیے کیا تیار کیا ہے؟** اس شخص نے کہا: کچھ نہیں مگر یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو**۔ انسؓ کہتے ہیں: ہمیں اسلام قبول کرنے کے بعد نبی ﷺ کے اس فرمان سے زیادہ کسی چیز سے مسرت نہ ہوئی کہ تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ میں نبی ﷺ، ابو بکر اور عمر سے محبت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں، اگرچہ میں نے ان کے برابر اعمال نہیں کیے" (مسلم)۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(233-235)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۔ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (233) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (234) وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ(235) ﴾

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں، اور جو کوئی چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے۔ اور ان ماؤں کا کھانا پینا اور دستور کے موافق ان کا پہننا والد پر ہے، کسی شخص کو تکلیف نہیں مگر جو اس کی گنجائش ہے۔ نہ ہی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچائے، اور نہ ہی والد کو اپنی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچائے، اور (والد کی طرف سے) وارث پر بھی یہی ذمہ ہے۔ پھر اگر دونوں آپس کی رضا اور مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم مرد چاہو کہ اپنی اولاد کو (کسی اور سے) دودھ پلواؤ تو تم پر گناہ نہیں، جب تم نے اُجرت دے دی جو کہ تم نے دستور کے موافق دینا ٹھہرایا تھا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔ اور تم میں جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ جائیں وہ اپنے تئیں چار مہینے اور دس دن انتظار کریں، اور پھر جب اپنی عدت کو پہنچ

چکیں تو تم پر گناہ نہیں جو وہ اپنے حق میں دستور کے موافق کریں، اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ اور تم پر گناہ نہیں جو اگر پردے میں عورت کو پیغامِ نکاح کہو، یا اپنے دل میں چھپا کر رکھو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ اُن کا دھیان کرو گے لیکن ان سے چھپ کر وعدہ نہ کرو، مگر یہی ایک بات کہہ دو جس کا رواج ہے اور نکاح کی گرہ نہ باندھو جب تک اللہ کا حکم اپنی مدت کو نہ پہنچے، اور جان رکھو کہ جو تمہارے دلوں میں ہے وہ اللہ کو معلوم ہے، تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور حلیم ہے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل باتیں بیان فرمائی ہیں:

1- جب عورت کو طلاق دی جائے، اور اس کا دودھ پیتا بچہ ہو، تو بچے کے والد پر یہ واجب ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے تک اس کی ماں کو دودھ پلانے کا خرچ دے، رضاعت کی مدت تک اس کو کھانا اور لباس فراہم کرے، یعنی اس کو رضاعت کی مدت کی اجرت دے گا، یہ مدت مکمل دو سال ہیں، لیکن یہ حکم تب ہے ، جب والد رضاعت کی مدت کو پورا کرنا چاہے۔

2- والد پر یہ لازم ہے کہ اپنے بچے کی والدہ کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے، اگر والد موجود نہ ہو تو بچے کے ورثا اس خرچ کی ذمہ داری نبھائیں گے۔

3- یہ درست نہیں کہ عورت کو اس کے بچے کی وجہ سے ایذا و تکلیف پہنچائی جائے، وہ دودھ پلانا چاہے مگر دودھ پلانے نہ دیا جائے یا بچے کو دیکھنے نہ دیا جائے، اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ والد کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے مثلاً ماں دودھ پلانے سے انکار کرے، بالخصوص جب کہ بچہ صرف اپنی ماں کا ہی دودھ پیتا ہو۔

والدین کے لیے اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ صلاح و مشورہ اور باہمی رضامندی سے دو سال پورے ہونے سے پہلے بچے کا دودھ چھڑوانے پر اتفاق کر لیں۔

اسی طرح اگر بچے کا اپنی ماں کے ساتھ مسلسل دو سال تک رہنے میں کوئی شرعی عُذر رکاوٹ بن رہا ہو، اس صورت میں اپنے بچے کے لیے کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانے میں باپ پر کوئی قدغن نہیں۔ ایسی حالت میں بچے کی والدہ کو رضاعت کی اجرت دینے کے بعد وہ بچے کو اس کی والدہ سے لے اور اسے دوسری عورت کے سپرد کردے، جو اس کو دودھ پلائے۔ بچے کو سپرد کرنے سے پہلے وہ دوسری نئی عورت کو رضاعت کی اجرت دے دے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ آیت کریمہ کے اختتام پر والدین کو تقویٰ کی یاد دہانی کراتے ہیں، کہ انہیں اپنے بچے پر شفقت کرنی چاہیے اور غلط طریقے سے اس کی پرورش نہ کریں، نہ یہ کریں کہ ایک دوسرے کے لیے ایذا رسانی کا باعث بنیں، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں، ہر ایک کو وہی جزا دے گا جس کا وہ حقدار ہوگا۔

﴿ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ ﴾ "اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں" یہ خبر بمعنی طلب ہے، یعنی طلاق یافتہ مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، لیکن یہ حکم مندوب کے درجے میں ہے کیونکہ کوئی ایسا قرینہ نہیں جو والدہ پر اس کو لازم کرتا ہو۔ لیکن یہ ہے کہ ماں جب تک کسی دوسرے آدمی سے شادی نہ کرے، اپنے بچے کی پرورش کی سب سے زیادہ حقدار وہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کی ابتدا میں ہی دودھ پلانے کے حوالے سے ماؤں سے خطاب کیا گیا ہے۔

(اَلْوَالِدَاتُ) "مائیں"، یہ لفظ عام ہے، اس میں ہر والدہ داخل ہے، لیکن حقیقت میں یہ آیت بیویوں کی بجائے فقط طلاق یافتہ عورتوں کی تخصیص کرتی ہے، اس کی وجہ مندرجہ ذیل دو باتیں ہیں:

أ- اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ طلاق والی آیات کے بعد آئی ہے، چنانچہ طرزِ کلام کا اشارہ اس طرف ہے کہ **اَلْوَالِدَاتُ** سے مراد طلاق یافتہ دودھ پلانے والیاں ہیں، لہذا شوہر پر یہ لازم ہے کہ ان کو اجرت دے۔

ب- بلاشبہ یہ آیت دودھ پلانے کے بدلے خوراک اور لباس کی فراہمی کی بات کرتی ہے، **(وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ)** "اوران ماؤں کا کھانا پینا اور دستور کے موافق ان کا پہننا والد پر ہے" کو **(وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ)** "اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں" کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں مراد طلاق یافتہ دودھ پلانے والیاں ہیں، کیونکہ بیوی کو کھانا پینا اور لباس فراہم کرنا زوجیت کی وجہ سے شوہر پر پہلے ہی فرض کیا گیا ہے، نہ کہ دودھ پلانے کے بدلے، اس لیے آیت کا خوراک اور لباس کو دودھ پلانے کے ساتھ جوڑ دینے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں جس کو والدہ کہا جارہا ہے وہ شوہر کی نگہداشت میں نہیں۔

اس بناپر آیت یہ بیان کرتی ہے کہ مطلقہ دودھ پلانے والی عورتوں کا حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اجرت لے کر دودھ پلائیں۔

(وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ) "اور والد کے ذمہ ہے" یہ دلالتِ اشارۃ سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بچے کا نسب والد کے لیے ہے، ماں کے لیے نہیں۔

اس کے علاوہ اس آیت کے منطوق **(الْوَالِدَاتُ)** "مائیں" اور **(الْمَوْلُودِ لَهُ)** "والد" سے والدین کو اپنے بچے پر شفقت دلانے کی ترغیب معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ ایک دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث بنے بغیر مل کر بچے کی پرورش اور دیکھ بھال کی فکر کریں۔

(وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ) **"اور وارث پر بھی ویسا ہی ذمہ ہے"** یعنی اگر بچے کا والد فوت ہو جائے اور بچے کا اپنا مال بھی نہ ہو جو اس کی عمومی ضرورتوں اور اس کی والدہ کی اجرت کے لیے کافی ہو، تو وارث پر دودھ پلانے والی کو اس کی اجرت (مزدوری) دینا لازم ہے۔ یہاں لفظ "وارث" عام ہے، ہر وارث اس میں شامل ہے۔

(لاَ تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلاَ مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ) **"نہ ہی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچائے، اور نہ ہی والد کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچائے"**، اس آیت کریمہ میں **لا تُضَارَّ** فعل کی جنس مفاعلہ سے ہے، اس کا معنی ضرر ہے، یعنی والد بچے کی وجہ سے والدہ کو ضرر پہنچائے، مثلاً کھانے پینے اور لباس کی فراہمی میں اس پر تنگی کرے یا اس سے بچہ لے لے جبکہ وہ اس کو دودھ پلانا چاہتی ہو۔ اسی طرح والدہ بھی بچے کی وجہ سے والد کو تکلیف نہ دے، مثلاً یہ کہ اس کی وسعت و طاقت سے بڑھ کر اس سے کپڑے اور کھانے پینے کا مطالبہ کرے یا جب ماں کے ساتھ بچے کو مانوسیت ہو جائے تو وہ اس کو ضرر دینے کے لیے اس سے دوسری عورت کی رضاعت کا مطالبہ کرے۔

یہ نہی جازم ہے کیونکہ (باہمی ضرر رسانی) ایک وصف مفہم ہے، جس سے جزم معلوم ہوتا ہے، یعنی آیت مضارۃ (باہمی ضرر رسانی) کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

اور **(بِوَلَدِهَا)** **"اس (ماں) کے بچے کی وجہ سے"** اور **(بِوَلَدِهِ)** **"اس (والد) کے بچے کی وجہ سے"** میں حرف (ب) سببیت کے لیے ہے، یعنی بچے کی وجہ سے۔

(فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا) **"پھر اگر دونوں آپس کی رضا اور مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں"** یعنی اگر والدین نے مذکور دو سال پورا ہونے سے پہلے بچے کا دودھ چھڑانا چاہا۔ آیت کا یہ حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بچے کا دودھ چھڑانے کے حوالے سے فیصلہ والدین میں سے کوئی ایک نہ کرے، بلکہ دونوں کے مشورے سے ہو۔

(فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا) **"تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں"**، یعنی یہ ان کے لیے مباح ہے۔

(وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلاَدَكُمْ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ) **"اور اگر تم مرد چاہو کہ اپنی اولاد کو (کسی اور سے) دودھ پلواؤ تو تم پر گناہ نہیں، جب تم نے اُجرت دے دی جو کہ تم نے دستور کے موافق دینا ٹھہرایا تھا"**، جب اللہ تعالیٰ نے کامل رضاعت کی مدت بیان فرمائی جو کہ دو سال ہے **(وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلاَدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ)** **"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں"**، تو اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دو سال سے پہلے نومولود کے دودھ چھڑانے کے حوالے سے میاں بیوی کی مشاورت بیان فرمائی **(فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا)** **"پھر اگر دونوں آپس کی رضا اور مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں"**۔ اس معاملے میں یہ ممکن ہے کہ کسی نہ کسی سبب سے عورت پورے دو سال دودھ پلانے سے انکار کرے، اور ان کا دودھ چھڑانے پر اتفاق رائے حاصل نہ ہو، باپ کی خواہش یہ ہو کہ دو سال پورے ہونے چاہیے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ذکر کیا کہ والد پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے بچے کے لیے کوئی دوسری رضاعی ماں ڈھونڈ لے۔

(إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ) **"جب تم نے اُجرت دے دی جو کہ تم نے دستور کے موافق دینا ٹھہرایا تھا"**، یعنی جب تم دودھ پلانے والیوں کو، جو اجرت دینا طے ہوئی، سپرد کر دو، اس اجرت میں عرف اور قاعدہ کو دیکھا جاتا ہے۔ اور **(آتَيْتُمْ)** جو ماضی لایا گیا ہے، اس میں دو فائدے ہیں:

پہلا: یہ اجرتیں دودھ پلانے کے پہلے دن سے مردوں کے ذمے لازم ہو جاتی ہیں۔

دوسرا: مفہوم اشارہ ادا کر رہا ہے، دودھ پلانے والیوں کو شروع سے مزدوری دینے کی افضلیت کے حوالے سے۔

لہٰذا ماؤں کو پہلی رضاعت کی اجرت سپرد کر دو، جو اس نے بچے کو دودھ پلایا تھا اور قاعدے کے مطابق اجرت دے کر ان کو خوش کر دیا کرو، پھر ان حالات میں اسی طرح نئی دودھ پلانے والی کی اجرت بھی معروف طریقے سے

(قاعدے کے مطابق) دیا کرو (**تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ**) "**اپنی اولاد کو (کسی اور سے) دودھ پلواؤ**" یعنی اپنے اولاد کے لیے، ان الفاظ میں حرفِ جر حذف کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں حذف ہے (**وَإِذَا كَالُوهُم**) "**اور جب ان کو ماپ کر دیں**" (المطففین: 3)، یعنی ان کے لیے تولیں۔

2۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دوسری آیت میں بیان فرماتے ہیں کہ جس عورت کا شوہر فوت شدہ ہو، اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے اور اس دوران عورت پر یہ حرام ہے کہ وہ شادی کی غرض سے خوبصورت اور شوخ لباس پہن کر یا خوشبو وغیرہ لگا کر بناؤ سنگار کریں، بلکہ اپنے گھر میں سوگ گذارے گی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « **لا يحلّ لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحدّ على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً** » "**کسی عورت کے لیے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اس کے شوہر کے جس کیلئے سوگ 4 مہینے اور 10 دن ہے**" (بخاری: 1201، 4918، مسلم: 273) ۔ جب اس کی عدت پوری ہو جائے، تو اس پر اور اس کے سرپرستوں پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں اگر وہ اپنی گھریلو اور معاشرتی زندگی میں اپنی ذات کے حوالے سے دیگر عورتوں کی طرح ایسے معاشرے میں زندگی گزارے جو شرع کی حدود میں رہتا ہو۔

اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ آیت کریمہ کا اختتام یہ فرما کر کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے اعمال سے باخبر ہیں، اور ہمارے اعمال کے مطابق ہمیں جزا دیں گے۔

(**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ**) "**اور وہ لوگ جو تم میں سے وفات پا جائیں**"، یعنی جن کی روحوں کو اپنے قبضے میں لیا جائے۔ یہ معنی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے التوفی قبضے میں لینے کو کہتے ہیں، یوں کہتے ہیں: توفيت مالي من فلان و استوفيته منه یعنی میں نے اس سے اپنا مال قبضے میں لے لیا۔ قرائن کے مطابق اس کا معنی سمجھا جائے گا، قرینے سے ہی یا تو روح قبض کرنے کا معنی سمجھا جائے گا یا مال لینے کا یا نیند کی حالت میں بغیر روح کے قبضے میں لینے کا، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿ **وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ**

يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُسَمًّى ﴾"اور وہ وہی ہے جو تمہیں رات کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کر چکے ہو وہ جانتا ہے پھر تمہیں دن میں اٹھا دیتا ہے تاکہ وہ وعدہ پورا ہو جو مقرر ہو چکا ہے"(الانعام:60) یا زندہ جسم قبضے میں لینے کا قرینہ ہو، یہ بھی عام ہے چاہے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں ہو، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ﴿ **إِذْ قَالَ اللَّهُ يَاعِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا** ﴾"جس وقت اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! بے شک میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں"(آلِ عمران:55)۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو قتل ہونے سے بچا لیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُن کو اپنے پاس اٹھا لیا، اور جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے، اپنے مقررہ وقت پر وہ دنیا میں اتر آئیں گے۔

(يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ) "وہ اپنے تئیں انتظار کریں گی"، یعنی شادی کے بغیر انتظار کریں گی، یعنی ان کی عدت کی مدت، **(أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)** "چار مہینے اور دس دن ہے" یہاں عشراً عدد کو مذکر (تَذْكِير) حالت میں لایا گیا ہے، کیونکہ اس کا معدود لیالی (راتیں) ہے جو یہاں معنوی طور موجود مانا گیا ہے۔ اس جیسے مواقع پر جب عدد ذکر نہ ہو تو عرب لوگ لیالی (راتیں) کو مقدر مانتے ہیں، کیونکہ دن کا آغاز رات کے داخل ہونے پر ہوتا ہے، اسی لیے وہ ان جیسی جگہوں میں معنوی طور پر ایام (دن) کو (تَأْنِيث) موجود نہیں مانتے بلکہ لیالی (راتیں) مانتے ہیں، لغت کے امام فراء کے بقول وہ یہاں تک کہتے ہیں (اصبحنا عشرا من رمضان) "ہم نے دسویں رمضان کو صبح کی"۔ باوجود یہ کہ روزہ دن کو ہوتا ہے، ایسا ان کے اکثر اقوال میں ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ **ان لبثتم الا عشراً** ﴾"کہ تم صرف دس دن ٹھہرے ہو"(طٰهٰ:103)، اس میں بھی لیالی (راتیں) لفظ موجود مانا گیا ہے، یعنی عشر لیالٍ۔

ہر وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو، چار مہینے دس راتیں عدت گزارے گی، سوائے ان عورتوں کے جو حمل سے ہوں، ان کی عدت بچے کی ولادت ہونے پر ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿ **وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ**

وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ "اور تم میں جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ جائیں وہ اپنے تئیں چار مہینے اور دس دن انتظار کریں"، عام ہے اور ﴿ **وَأُولاَتُ الاَحمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾** "اور حمل والیوں کی عدت ان کے بچہ جننے تک ہے" (الطلاق:4)، یہ آیت اس عام کی تخصیص کرتی ہے۔اس کے معنی ہیں: "حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ ان کی زچگی ہو جائے"۔

(فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ) "جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں" یعنی ان کی عدت پوری ہو جائے۔

(فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ) "تم پر کچھ گناہ نہیں" یعنی تم پر، اے سرپرستو!

(فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ) "جو وہ اپنے حق میں دستور کے موافق کریں"، یعنی ان کے لیے دوران عدت جو کام ممنوع تھے، تو اب ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دیگر عورتوں کی طرح قاعدے کے مطابق عام زندگی گزارے، شریعت کی مقررہ حدود میں رہتے ہوئے خوبصورت لباس پہنے یا خوشبو لگائے وغیرہ، یہ اس وقت جائز ہو گا جب عدت ختم ہو جائے۔

3۔اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ فوت شدہ شوہر والی عورت کے بارے میں ایک اور حکم بیان فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ عدت میں اس عورت کے سامنے اس بات کی (التعریض) تعریض کرنا جائز ہے کہ وہ عدت مکمل ہو جانے کے بعد اس سے نکاح کرنے میں دلچسپی لیتا ہے، اس طرح کسی پر اس بات میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ اپنے دل میں عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام دینے کے ارادے کو چھپائے رکھے، تاکہ عدت کے ختم ہونے پر اس کے ساتھ نکاح کرے۔

تعریض یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جس کے ظاہری الفاظ اس کو اس کے مفہوم کی طرف پھیر دے، تو تعریض کے اصل معنی ہیں: کلام کو اس کے انداز سے اس کی ایک جانب جھکانا۔ لہٰذا جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہے، اس کے سامنے یہ کہا جائے کہ آپ کا اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہے اور آپ ایک نیک عورت کی تلاش میں ہیں، یا

آپ اپنی تعریف ذکر کریں کہ اگر میرا کسی سے نکاح ہو جائے تو میں اس پر ظلم نہیں کروں گا وغیرہ۔ تو اس قسم کی جو باتیں آپ کریں، یہ درست ہیں، لیکن آپ کا یہ انداز کلام، کلام کے مفہوم کو اس کے ذہن تک پہنچانے کا ایک واسطہ ہے، کلام کا مفہوم وہ ہے جس سے آپ خاموش ہو گئے ہو، اور وہ آپ کا اس کے ساتھ نکاح میں دلچسپی لینا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ بیوہ عورت کے سامنے واضح طور پر اس کے ساتھ شادی کا ذکر کرنا حرام ہے، لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا، تعریض جائز ہے، یا یہ کہ عدت کی انتہا پر اس کے ساتھ نکاح کرنے کے خیالات دل میں چھپائے پھرے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ شادی کے طلبگار ان عورتوں میں دلچسپی کے اظہار پر کبھی بھی خاموش نہیں رہ پائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو یہ سلیقہ سکھایا کہ وہ تعریض کے طور پر کس طرح ان کی یادیں پال سکتے ہیں اور ان پر حرام کر دیا کہ وہ ان عورتوں کے ساتھ صراحت کے ساتھ اور کھل کر شادی کے وعدے کریں، یا شادی کی بندھن کے لیے اعلانیہ اقدامات اٹھائیں، تاکہ عدت مکمل ہو جانے کے بعد شادی کے معاملے کو انجام دیا جائے، تو اس حوالے سے جتنا کچھ جائز ہے وہ تعریض ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس آیت کریمہ کے اختتام میں ذکر کرتے ہیں کہ اس معاملے میں اللہ کے امر کی مخالفت سے بچیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے پوشیدہ رازوں کو بخوبی جانتا ہے۔ **(وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ)** "اور جان رکھو کہ جو تمہارے دلوں میں ہے وہ اللہ کو معلوم ہے، تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور حلیم ہے" اور اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اپنی زبان پر ایسی باتیں لاتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں، یہ گمان کر کے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے رازوں کو اور سرگوشیوں کو نہیں جانتے۔

لیکن اس کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس شخص کی بہت زیادہ مغفرت کرتے ہیں جو اپنی خطاؤں سے رجوع کرے، اور اللہ تعالیٰ بردبار ہے، عذاب کے مستحق کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا، کہ یہ ممکن ہے کہ وہ نادم ہو کر

توبہ کرلے اور نیک اعمال کرنے لگے۔(وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ) "اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور حلیم ہے"۔

(وَلَكِنْ لاَ تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا) "لیکن ان سے چھپ کر وعدے مت کرو" یعنی عدت کے دوران ان سے چھپ کر نکاح کے وعدے مت کرو، یہاں (اَلسِّر) نکاح یعنی جماع کا ارادہ کرنا ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے،(إِلاَّ أَنْ تَقُولُوا قَوْلاً مَعْرُوفًا)"سوائے یہ کہ تم معروف طریقے سے بات کرو" یہ استثناء منقطع ہے، اس کا مطلب ہے: لیکن یہ کہ تم کوئی درست بات کہو، اور یہ وہی ہے جو آیت کے شروع میں ذکر ہوا، یعنی کھول کر بتائے بغیر شادی کے اشارے دینا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

(وَلاَ تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ) "اور نکاح کی گرہ نہ باندھو"، یعنی ان سے نکاح کرنے کے پکے اقدامات نہ اٹھاؤ یعنی اعلانیہ اقدامات، مثلاً آپ شادی کے بعض لوازمات خریدنے لگے یا تیاری کرنے لگے تاکہ عدت کے بعد فوراً شادی کی جائے، کیونکہ کسی کام کا عزم کام سے پہلے ہوتا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں پر دو چیزیں حرام کردیں:

أ) عدت میں ان سے شادی کرنے کی واضح بات کرنا

ب) عدت میں اعلانیہ طور پر شادی کے لین دین کے مقدمات کی تیاری

اور یہ واضح ہے کہ کسی چیز کے مقدمات سے نہی کی جائے تو یہ زیادہ بلیغ انداز سے خود اس چیز سے بھی نہی ہوتی ہے، یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا گیا کیونکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ عدت کے دوران شادی کا معاملہ کرنا اسلام میں بڑا جرم ہے اور یہ باطل معاملہ ہے۔

(حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ) "جب تک اللہ کا حکم اپنی مدت کو نہ پہنچے"، یعنی یہاں تک کہ عدت کی مدت مکمل ہو جائے۔

فہرست

جنس، مبہم جنس، مخنث اور خواجہ سراؤں کے متعلق اسلامی احکامات

مصعب عمیر-پاکستان

تعارف: مسلم دنیا میں خواجہ سراؤں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے بحث

5 ستمبر 2022 کو پاکستان کے سینیٹر مشتاق احمد نے انسانی حقوق پر سینیٹ کی سٹینڈنگ کمیٹی کو ٹرانسجنڈر پروٹیکشن ایکٹ 2018 میں ترامیم کا بل پیش کیا۔ اس ملاقات کے دوران سینیٹر مشتاق احمد نے کہا، "ٹرانسجنڈر ایک امریکی اصطلاح ہے، اس کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے اور خواجہ سراؤں کے متعلق قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف ہے اور اس سے ہم جنس پرستی کو فروغ ملے گا"۔ خواجہ سرا افراد کے تحفظ کے حوالے سے چھڑی اس حالیہ بحث نے مسلم دنیا میں ایک اُلجھن پیدا کر دی ہے۔ حتیٰ کہ اس بحث نے چند لوگوں کو اس حد تک بھی شک وشبہ میں ڈال دیا ہے کہ آیا اسلام جدید دور کے مطابق ہے بھی یا نہیں۔

یہ یقین دہانی کرنے کیلئے کہ مسلمانوں کی گفتگو اور عمل ایسا ہی ہو جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ راضی ہو جائے، یہ ضروری ہے کہ صنف سے متعلق معاملات کو ان کی مناسب جگہ پر رکھا جائے۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان اس مسئلے کی تحقیق کریں اور پھر اس مسئلے سے متعلق شرعی احکامات کے مطابق ان پر عمل پیرا ہوں۔ لہٰذا مسلمانوں کو حیاتیاتی (biological) خصوصیات کی بنا پر صنف کے تعین کرنے، جینیات کو مد نظر رکھتے ہوئے جسمانی خدوخال اور طبعی میلان کے جانچنے، کسی مبہم صنف پر درست جنس عائد کرنے اور عورت نما مرد یا مرد نما عورت کے ساتھ ساتھ ہارمون کی تبدیلی اور سرجری کے ذریعے جنس تبدیل کروانے والے افراد کے بارے میں مطالعہ (غور وفکر) کرنے کی ضرورت ہے۔

صنف پرستی (genderism) ایک مغربی تصور ہے تاکہ جنس کی تعریف ذاتی میلان کی بنیاد پر کی جاسکے

جنس کے تعین کے حوالے سے حالیہ دہائیوں میں مغرب نے ایک نیا نکتہ نظر اپنا لیا ہے۔ عیسائی چرچ اور اس کے ظالمانہ نظریات کی وجہ سے خواتین کے خلاف صدیوں سے ظالمانہ امتیازی سلوک کے رد عمل کے نتیجے میں مغرب نے جنس کی تعریف کے طور پر صنف پرستی کا سہارا لیا۔ فطری اور حیاتیاتی طور پر الگ الگ یعنی مذکر اور مونث پر مبنی جنس کے تصور کی بجائے مغرب نے صنف پرستی کا تصور اختیار کر لیا۔ صنف پرستی کے نظریہ کے مطابق کسی فرد کی جنس اس کی سماجی و ثقافتی وضع کے لحاظ سے طے ہوتی ہے۔ صنف پرستی کے نظریہ کے تحت، جنس کی شناخت حیاتیاتی بنیاد کی بجائے کسی فرد کے خود اپنی ذات کے بارے میں تصور اور میلان کے مطابق کی جاتی ہے۔ جیسا کہ نظریہ وجودیت کی فرانسیسی فلسفی Simone de beauvoir ،اپنی کتاب "دوسری جنس"(French: Le Deuxième Sexe) میں کہتی ہے، "عورت پیدائش سے نہیں ہوتی بلکہ وہ عورت بن جاتی ہے"۔

در حقیقت، صنف پرستی کا فلسفہ مرد و عوت کی الگ الگ فطری شناخت کی بنا پر جنسی تفریق کو ختم کرنے کی کوشش میں نسائیت (feminism) کی تحریک کی دوسری لہر کے جزو کے طور اُبھرا تھا۔ لہٰذا صنف پرستی کا فلسفہ کسی کی جنس کی حیاتیاتی طور پر شناخت کا تعین کرنے کو ختم کرنے کا تقاضا کرتا ہے یعنی یہ جنس کا کردار اور جنس کے دقیانوسی تصورات کو ختم کرنے کا تقاضا تھا جو کہ ظالمانہ تصور کئے جاتے تھے۔

نظریہ صنف پرستی کو ہم جنس پرست تحریک اپناتی ہے

ابتدا میں صنف پرستی کا نظریہ مردوں کی جانب سے عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کو روکنے کے لئے اپنایا گیا تھا۔ تاہم، یہ نظریہ حقوق نسواں کی حمایت سے بڑھتا بڑھتا ہم جنس پرست مردوں کے حقوق کی حمایت تک چلا گیا۔ ان لوگوں کے خلاف امتیازی سلوک ختم کرنے کے لئے جو ہم جنس پرست مرد ہونے کا اعلان کرتے تھے، ہم جنس پرستی کا پرچار کرنے والوں کی جانب سے نظریہ صنف پرستی کی پُرزور حمایت کی گئی۔ پس اس طرح اب اس نظریہ کا مقصد محض خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کو ختم کرنا نہ رہ گیا بلکہ نظریہ صنف پرستی اب بڑھ کر ان لوگوں کے

خلاف امتیازی سلوک کو بھی ختم کرنے کیلئے استعمال ہونے لگا جو حیاتیاتی خصوصیات سے قطع نظر خود اپنے ذاتی میلان کی بنا پر اپنے جنس کا انتخاب کرتے ہیں۔

شخصی آزادی کے تصور کے ذریعے مغرب نے افراد کو یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ خود اپنے ذاتی میلان کی بنا پر اپنی جنس مقرر کرلیں۔ چنانچہ نظریہ صنف پرستی کے مطابق، ایک مرد، اس حقیقت کے باوجود کہ وہ مردوں جیسے حیاتیاتی خدوخال رکھتا ہے، وہ خود یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔ اس جنس میں منتقل ہونے کے لئے، جو اس نے اپنے لئے منتخب کی ہے، وہ سرجری اور ہارمون کے علاج کے مرحلے سے بھی گزر سکتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان اپنی مردانہ ہیئت کو چُھپا سکتا ہے اور نسوانی ہیئت کو اختیار کرسکتا ہے۔ ایسے انسان جنہوں نے طبّی مدد کو استعمال کرکے خود اپنی جنس تبدیل کروائی ہو وہ مخلوط الجنس (transsexual) کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ایک عورت خود یہ احساس کرسکتی ہے کہ وہ ایک مرد ہے۔ اس طرح کا ایک مشہور کیس ایک عورت، Ellen Paige کا ہے جو کہ ہارمون کی تبدیلی اور سرجری کے بعد Elliot Page بن گیا تھا۔ چنانچہ اب مغربی نکتہ نظر میں ایسے مخلوط الجنس انسان موجود ہیں جو ایسی جنسی شناخت رکھتے ہیں جو ان کی پیدائشی حیاتیاتی جنس سے مختلف ہے۔

پاکستان کے ٹرانسجنڈر پروٹیکشن ایکٹ کے معاملہ میں، ترامیم کے بعد، اب یہ قانون مغربی نظریہ صنف پرستی کی ہی بنیاد پر ہے۔ یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ، "ایک مخلوط الجنس انسان کو اپنی خود ساختہ جنسی شناخت کے طور پر پہچانے جانے کا مکمل حق ہونا چاہئے"۔ چنانچہ اسلام کے تقاضے کے مطابق فقط حیاتیاتی خدوخال کو مدنظر رکھتے ہوئے جنس کی شناخت کرنے کی بجائے پاکستان کے حکمرانوں کے مطابق، جنس کا تعین خود اپنی سمجھ کے مطابق ہونا چاہئے جس کی مغرب وکالت کرتا ہے۔

جنس اور جنس کے کردار کے حوالے سے متعلق اسلام کا نظریہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾ " اور مرد، عورت کی مانند نہیں ہے" (آل عمران: 36)۔ اسلام میں بنیادی طور پر دو ہی جنس ہیں۔ دونوں جنسوں کا تعین صرف حیاتیاتی خدوخال کو مد نظر رکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔ جنس کا تعین کسی فرد کے ذاتی فیصلہ کر دینے سے یا ذاتی میلان کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا۔ مبہم جنس کا تعین ماہرین کے ذریعہ کیا جاتا ہے تاکہ دونوں میں سے درست جنس کا تعین کیا جاسکے۔ پھر جنس کے کردار کا تعین وحی کی بنیاد پر اس سے متعلق شرعی احکامات سے ہوتا ہے۔ اسلام میں تمام انسانوں کے لئے مشترک شرعی احکامات ہیں چاہے وہ مرد ہوں یا عورت، جبکہ ایسے شرعی احکامات بھی موجود ہیں جو کسی ایک جنس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہٰذا اسلام مرد و عورت، دونوں کو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض دیتا ہے۔ پھر اسلام صرف خواتین کے لئے حیض و نفاس، حمل اور بچے کی پیدائش جیسے معاملات کے حوالے سے شرعی احکامات دیتا ہے۔ اسلام، مرد کو چھوڑ کر صرف عورت کو بچے کو تحویل میں لینے کا حق بھی دیتا ہے۔ اسلام عورت کو روزی کمانے کا حق بھی دیتا ہے اور اس کے شوہر کو عورت کی کمائی پر کوئی حق نہیں دیتا، جبکہ اسلام مرد پر فرض عائد کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کرے۔ جہاد عورت پر فرض نہیں جبکہ یہ مردوں پر فرض ہے۔

عورت یا مرد پر ظلم کرنے کی بجائے شرعی قوانین اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ مرد اور عورت ایک مضبوط خاندانی نظام اور اس خاندانی نظام پر مبنی ایک مستحکم معاشرہ تشکیل دینے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ آج ظلم و جبر کو روکنے والی خلافت کی غیر موجودگی میں بھی مسلم دنیا کا خاندانی نظام، ان لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے جو مغرب میں خاندانی نظام کی تباہی کے بعد اس کے بھیانک نتائج بھگت رہے ہیں۔

اسلام کسی مبہم جنس (خُنثیٰ) کیلئے دو اصناف (مرد و عورت) میں سے کسی ایک جنس ہی کا تعین کرتا ہے

لفظ، **خُنثیٰ** ایسے فرد پر لاگو ہوتا ہے جس کو حیاتیاتی خدوخال کے پیشِ نظر آسانی سے مرد یا عورت کے طور پر شناخت نہ کیا جاسکے۔ یہ ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کے خدوخال ہوتے ہیں یا پھر ایسا انسان

جس میں ان میں سے کوئی خدوخال نہیں ہوتے۔اسلام میں طبّی ماہرین ہی غیر واضح جنس کی حیاتیاتی حقیقت کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کیلئے مرد یا عورت میں سے کسی ایک جنس کا تعین کرتے ہیں۔ مشہور فقیہہ ابن قدامہ مبہم جنس کے حوالے سے اپنی کتاب المغنی میں بیان کرتے ہیں،وَلَا يَخْلُو مِن أَنْ يَكُونَ ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى،قَالَ الله تعالي **وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى، وَقَالَ تعالي وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً فَلَيْسَ** ثَمَّ خَلْقٌ ثَالِثٌ "یہ مرد یا عورت ہونے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿**وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى**﴾ **"اور وہی جوڑے پیدا کرتا ہے، نر اور مادہ"**(سورۃ نجم:45)اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿**وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً**﴾ **"اور دونوں سے کثرت سے مرد وعورت پھیلادئے"**(النساء:1)اور اس طرح کوئی تیسری جنس نہیں ہوتی"۔

اس طرح،اسلام کسی تیسری جنس کو معین نہیں کرتا۔ایک قابل اعتماد مسلمان ڈاکٹر جو پیدائشی بے ضابطگیوں، جنسیاتی اعضاء، جینیات اور صنفی میلان کے امور میں مہارت رکھتا ہو، وہ جنس کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ پہلے وہ انتہائی حساسیت اور ہمدردی سے حیاتیاتی و طبعی خدوخال اور جسمانی ساخت کا معائنہ کرتا ہے تاکہ یہ جانچ سکے کہ مرد یا عورت کی خصوصیات میں سے کون سے صنفی اثرات غالب ہیں۔ وہ جسمانی طور پر اعضاء جیسا کہ جنسی اعضاء کا معائنہ کرنے کے ساتھ ساتھ X اور Y کروموسوم کو مدنظر رکھتا ہے جو کہ جنس کو تشکیل دیتے ہیں۔ اگر پھر بھی کسی بہت پیچیدہ معاملے میں جب فقط جسمانی اور جینیاتی خصوصیات کے ذریعے ابہام دُور نہ ہو رہا ہو تو درست جنس کا تعین کرنے کیلئے مردانہ اور نسوانی طبعی و جنسی میلان اور خواہشات کو بھی زیر غور لایا جاتا ہے۔اس کے بعد اس تشخیص کردہ جنس پر اس کے مطابق اسلامی احکامات جیسے صنفی کردار، ذمہ داریاں اور نکاح وغیرہ لاگو ہوتے ہیں۔

جب جنس کا تعین ہو جائے تو اس پر مسلمانوں کا حکمران ہونے کے ناطے، خلیفہ کے حکم سے توثیق کی جاتی ہے جس کی اطاعت لازمی ہے۔اس کے بعد اس انسان کے تعین کردہ جنس کے مطابق پورے معاشرے میں، بغیر کسی تفریق وامتیازی سلوک کے، عام انسانوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ پھر وہ مرد یا عورت اسلامی معاشرے کے ایسے قابل

قدر رکن کی طرح مربوط ہوتا ہے جس سے تمام شرعی فرائض کی ادائیگی ہوتی ہے جبکہ اسے تمام شرعی حقوق میسر ہوتے ہیں۔

عورت نُما مرد (مُخَنَّث) اور مرد نُما عورت (مُتَرَجِّلَةُ) کے حوالے سے اسلامی احکامات

ابن عباسؓ سے مروی ہے، **(لَعَنَ رسول اللهﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ) "اللہ کے نبی ﷺ نے ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں"** (بخاری)۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ **،(لَعَنَ النبیُ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ أخرجوهم من بيُوتيكُمْ) "نبی ﷺ نے عورت نما مرد اور مرد نما عورتوں پر لعنت کی اور فرمایا، أخرجوهم من بُيُوتكُمْ، "انہیں اپنے گھروں سے باہر نکالو"** (بخاری)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **﴿ ثَلَاثَةٌ لاَ يَنْظُرُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِ لَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِالْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَلْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ وَالدَّيُّوثُ﴾ "تین لوگ ایسے ہیں جن پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ روز قیامت نگاہ بھی نہ ڈالیں گے: ایک وہ جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے، مرد نما عورت اور دیوث (بے غیرت مرد)"** (نسائی)۔

کسی جنس کی مشابہت کرنا عمومی معانی میں آیا ہے جیسے شناخت، کردار، لباس اور مزاج کے لحاظ سے مشابہت۔ یہ بغیر کسی حد یا تفریق کے مطلق آیا ہے۔ گناہ کی وسعت اس ہی جنس کے ساتھ جسمانی تعلقات پر بھی ہے اور وہ سب جو اس حد تک لے جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام میں نفسانی خواہش اور شہوت افعال کا فیصلہ نہیں کرتے بلکہ شرعی قوانین ہی مرد و عورت کے باہمی تعلقات کے ساتھ ساتھ ان کے متعلقہ طرزِ عمل، مزاج اور کردار کا بھی تعین کرتے ہیں۔ اسلام کے باہمی تعلقات کی تفصیل متعین کر دینے کے بعد مرد اور عورت میں محبت اور جسمانی تعلقات نکاح کے بندھن ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ خلافت ہی ہو گی جو ایسا ماحول پیدا کرے گی جو صنف کے حوالے سے درست کردار کو پروان

چڑھائے گا۔ یہ اسلامی معاشرہ ہی ہے جو اُن الجھنوں، تکالیف اور بد حالیوں سے کوسوں دور ہے جو مغربی تہذیب نے اپنی آزادیوں اور اس کے مظہر، صنف پرستی سے پیدا کر دی ہیں۔

transgender اور transsexual کے متعلق اسلامی نکتہ نظر

پیدائش کے وقت کے حیاتیاتی حقائق کو نظر انداز کر کے خود ساختہ ادراک سے کسی جنس کا تعین نہیں ہوتا۔ مرد سے عورت میں یا عورت سے مرد میں کسی فرد کی جنس کو تبدیل کر دینا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنا سمجھا جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔ اس میں دونوں طرح کے طریقے ہی شامل ہیں چاہے ہارمون کے علاج سے ہو یا پلاسٹک سرجری کے ذریعے ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں،

﴿اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ۙ۔ لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۙ۔ وَّ لَاُضِلَّنَّہُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّہُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ؕ۔ یَعِدُہُمۡ وَ یُمَنِّیۡہِمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُہُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ؕ﴾ " اللہ کی بجائے، یہ مشرک دیویوں کی پرستش کرتے ہیں اور صرف شیطان مردود کو ہی پکارتے ہیں۔ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے جو یہ کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور ان کو آرزوئیں دلاتا رہوں گا اور انہیں یہ حکم دیتا رہوں گا کہ وہ مویشیوں کے کان چیرتے رہیں اور اللہ کی بنائی صورتوں کو بگاڑتے رہیں۔ اور جس نے بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا تو وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ شیطان ان کو صرف جھوٹے وعدے دیتا ہے اور انہیں جھوٹی امیدوں سے دھوکے میں ڈالے رکھتا ہے۔ اور شیطان کے وعدے پُر فریب دھوکا ہیں" (النساء: 120-117)۔

مرد سے عورت میں تبدیل ہونے کا معاملہ نسوانی اوصاف کو ظاہر کرنا یا مردانہ صفات کو چُھپانے کا معاملہ ہے۔ تاہم یہ اس فرد کی پیدائش کے وقت کے حیاتیاتی حقائق کو بدل نہیں سکتا جو کہ اسلام میں جنس کے تعین کی بنیاد ہے۔

چنانچہ تبدیل ہونے سے پہلے کی اس کی اصل جنس یعنی مرد ہونے کے مطابق ہی اسلام کے احکامات اس پر لاگو ہوں گے۔ کسی دوسرے مرد کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ وہ، جنس کی تبدیلی سے قطع نظر، کسی پیدائشی مرد پیدا ہونے والے کے ساتھ نکاح کے رشتہ میں منسلک ہو۔

نتیجہ: صنف پرستی کے باطل پن سے ٹکر

مغرب اپنے خاندانی نظام اور خاندانی اقدار کو برباد کر دینے کے بعد اب مسلم دنیا میں اپنے ایجنٹ حکمرانوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک ثقافتی جنگ برپا کئے ہوئے ہے۔ مغرب میں خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ اور اس کے نتیجے میں فطری ربط، برادری اور کسی اجتماعی فعل کے فقدان کے باعث، مغربی حکومتیں کسی نہ کسی طرح اپنے لوگوں کو قابو میں رکھے ہوئے ہیں۔ فکری و نظریاتی لحاظ سے اسلام کا مقابلہ کرنے میں ناکامی کے بعد مغربی حکمران اشرافیہ اب مسلمانوں سے بھی یہی چاہتی ہے۔ مسلمانوں کے مضبوط خاندانی و برادری اور سماجی نظام کو تباہ و برباد کرنے کی خواہش کے ساتھ وہ اب مسلمانوں میں صنف پرستی کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ کسی طرح مغرب مسلمانوں کو قابو میں رکھ سکے اور نبوت کے نقش قدم پر آنے والی خلافت کے قیام کو روک سکے یا کسی حد تک اس میں تاخیر کر سکے۔ اب یہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی حفاظتی ڈھال یعنی خلافت کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیمات و ثقافت سے اپنے آپ کو مضبوطی سے منسلک رکھتے ہوئے اس گندگی کی یلغار کا مقابلہ کریں۔

فہرست

یہی وقت ہے کہ اسلامی خلافت مغرب کے ساتھ جاری تہذیبی تصادم کو ختم کرکے انسانیت پر سے ظلم کا خاتمہ کردے (حصہ دوئم)

مناجی محمد، مراکش

مغربی فکر کی علمی پریشانیاں اور اس کا ثقافتی بحران

ماڈرنسٹ (جدیدیت پسند) سیکولر مغربی سوچ کی شروعات چرچ اور پادریوں کے ظلم وستم، زار اور شہنشاہوں کے جبر کے رد عمل میں ہوئی، اس رد عمل کا ایک مظہر نام نہاد انسانیت (Humanism) ہے، یعنی لاہوتی فکر کے مقابلے میں انسانی فکر کی ترجیح۔ نام نہاد انسانیت کے اس رجحان نے خدا کی طرف منسوب ہر دینی چیز کو بے وقعت کر دیا اور انسان کو کائنات کا مرکز قرار دیا۔ مغربی سوچ کا یہ کھوکھلا دعویٰ تھا کہ انسان کی زبردست عقلی صلاحیت ایسے تمام علمی سوالات کو حل کرنے کی طاقت رکھتی ہے، جن کا تعلق اس کی خوشی و مسرت سے ہے، اسی عقل کی بنیاد پر اس نے اپنے لیے جنتِ ارضی (زمینی جنت) بسالی ہے۔ عقل تمام علمی اندھیروں کو تجربے، تجزیے اور اجتہاد واستخراج کے ذریعے روشن کردے گی، تاآنکہ ہر نامعلوم، معلوم ہوتا جائے گا، اس مرحلے کو (یعنی اٹھارویں صدی کے اوئل کو) مجازاً روشن خیالی کا دَور کہا گیا۔ اس عہدِ روشن خیالی کا ایک فلسفی "عمانوئیل کانٹ" اپنے مضمون "What is Enlightenment?" میں روشن خیالی کے تصور کے بارے میں کہتا ہے: "روشن خیالی انسان کا خود ساختہ مفروضہ نوعمری (بچپن) سے باہر آکر ظاہر ہونا ہے۔ نوعمری یا لڑکپن یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی اور کی رہنمائی کے بغیر اپنی سمجھ استعمال نہ کرسکے۔ بچپنے کا یہ خول انسان اس وقت اپنے اوپر چڑھا دیتا ہے، جب اس کا بچپنا فیصلہ سازی کے فقدان کا یا دوسرے کی رہنمائی کے بغیر اپنا دماغ استعمال کرنے کا حوصلہ نہ رکھنے کا سبب بنے، سمجھ کے فقدان کی حالت میں پڑے رہنے کو بچپنا نہیں کہتے۔ یہی وجہ ہے کہ "اپنا ذہن استعمال کرنے کا حوصلہ پیدا کرو" ہی

روشن خیالی کا ماٹو بن کر ابھرا"۔ مغربی فکر میں روشن خیالی کا تصور اس فکر کے ساتھ اس کے جنم دن سے باندھا ہوا ہے، یہ تصور کہتا ہے کہ اس عالم کے اندر وہ سب کچھ موجود ہے جو اس کی تشریح کے لیے کافی ہے، اور یہ کہ انسانی عقل اس سمجھ تک پہنچنے کی قدرت رکھتی ہے جو اس کے لیے ہر چیز کو روشن کردے گی، اور یہ کہ انسانی سمجھ ہی وہ چیز ہے جس نے انسان کو کائنات کی مرکزیت کے مرتبہ پر فائز کردیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ انسانی سمجھ دنیا کو بدلنے اور اس میں اختیار چلانے کی ضمانت دیتی ہے۔ اَطالوی فلسفی "جیاؤنی پیکوڈیلا میرانڈولا" کے مطابق، "روشن خیالی یہ ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملے جو وہ پسند کرے، اور وہی کچھ ہو جائے جو وہ چاہے"۔ نیز یہ کہ فہم کا ذریعہ مادی تجربہ ہے، جو انسان کو مادی قوانین کی سمجھ تک رسائی کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور پھر اس کے بعد وہ مادے کو کنٹرول کرتا ہے، اور اس کو جیسے چاہے اپنے مفادات کے لیے استعمال میں لاتا ہے، یوں اس کی خوشی، ذات اور خصوصیت بڑھ جاتی ہے۔

بہر حال یہ ساری باتیں دیگر بہت سارے وہموں کی طرح محض وہم وخیال ہی تھیں، جو حقیقت میں موجود حقائق کے رونما ہونے کے ساتھ ہی منظر سے اوجھل ہوگئے، یعنی حقائق کی درست سمجھ نے بہت جلد ان وہموں کا شیرازہ بکھیر کر تہہ و بالا کردیا، بہت جلد مغربی مفکرین پر واضح ہوا کہ ماڈرنسٹ، سیکولر انسان مذہبی انسان سے کہیں زیادہ وحشی اور گھٹیا رویے اور خیالات کا حامل ہوتا ہے۔ اس جدید تہذیب نے یہ کیا کہ ملعون پادری کی جگہ مردود شیطان کو لا کھڑا کردیا، کفارے کے سرٹیفیکٹ اور محکمہ تفتیش کی جگہ نسل پرستی پر مبنی سفاکیت اور وحشت و بربریت ، بے رحم، جابر استعماری طاغوت اور درندگی نے لے لی، جس نے شمالی و جنوبی امریکہ کے اصل باشندوں "ریڈانڈینز" کی نسل ہی نیست و نابود کردی، اور کالے افریقیوں کی نسل کو غلام اور ذلیل بنا کر رکھا، قتل وغارت گری، نوآبادیات اور بے تحاشا لوٹ مار مچاتی اس تہذیب نے دنیا بھر میں کوئی علاقہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں بحران نہ کھڑے کیے ہوں۔ یہ حقیقت عیاں ہے کہ اسی نے کرۂ ارض کو انسانوں کے لیے جہنم بنادیا ہے، تمام انسانی بحرانوں کے پیچھے ماڈرنسٹ سیکولر مغرب کا مکروہ چہرہ ہی نظر آیا۔ بالآخر اٹھارویں صدی کے اختتام اور اُنیسویں صدی کے آغاز پر نام نہاد روشن خیالی کا یہ دَور اندھیروں سے ڈھکی سیاہ رات پر ختم ہوا۔

مغرب کی منافقت کا اندازہ کیجیے کہ اپنے تہذیبی المیے، علمی بحران اور انسانی مسائل سے بھاگنے کے لیے اپنی بے بسی اور ناکامی کو بھی ایک فلسفہ کے طور پر مشہور کر دیا۔ مغرب کا فلسفہ کھوکھلا تھا، چنانچہ شروع سے ہی ناکام ہوا۔ اور اس ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس مقاصد، روایات، خوشی، قسمت، پیمانے، اور اخلاقی معیارات جیسے بڑے اور اہم انسانی سوالات کے جوابات موجود نہیں تھے، اس لیے چشم پوشی میں عافیت سمجھی۔ لیکن جب مغربی مفکرین پر یہ واضح ہوا کہ انسانی زندگی کی حقیقت اتنی سادہ نہیں جتنا ہم نے سمجھا تھا، انہیں سمجھ آیا کہ انسان کی حقیقت مادیت پر مبنی مبہم و مختصر تشریحات کے لیے چیلنج ہے۔ ان مفکرین پر تجربہ کی بنیاد پر مرکوز مادی تشریح کا دیوالیہ پن واضح ہوا، اور یہ کہ تجرباتی علم کی حد اشیا کی حقیقتوں اور ماہیات کو پہنچاننے تک ہے۔ ان پر یہ بھی واضح ہوا کہ مغربی تہذیب انسان کے مقصدِ حیات، انسانی روایات و اقدار، خوشی و مسرت، زندگی کا انجام، خیر و شر کے پیمانوں، اچھے بُرے (حسن و قبح) کی تمیز اور اخلاقی معیارات کے حوالے سے تہی دامن ہے۔ مغرب کو پتہ چلا کہ عقائد، اقدار و روایات، اخلاقیات اور قوانین سازی کو لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعے نہیں جانچا جا سکتا۔ یوں کائنات پر تسخیر کائنات اور اس پر تسلط کے امکانات کا خواب جیسی سادہ اور سیکولرسٹ کوتاہ نظر سے جنم لینے والا وہم بھک سے اُڑ گیا۔ اس کے ساتھ اس کا وہ کھوٹا ایمان بھی تحلیل ہوا کہ مادی ترقی ہی خوشی کا واحد راستہ ہے، لیکن مغرب نے اپنی بے بسی اور ناکامی کو ایک فلسفہ قرار دیتے ہوئے اپنے ہاں پچھلی سیکولر کوتاہ نظری اور سطحیت کو مسترد کرنے کی جگہ اب اسی ناکام فلسفہ کو رائج کرنے کی سوجھی کہ "حقیقت سے مکمل آگاہی ناممکن ہے"۔ مغربی فلسفی کی فکر میں قانونِ اضافت کا مفہوم گل سڑ کر گویا سمندر کی سطح پر اوپر آ کر تیرنے لگا۔ اس علمی پریشانی کو جواز فراہم کرنے اور اس کی تشریح کے لیے فلسفی نظریات گھڑے جانے لگے، لیکن پھر بھی یہ معاملہ خالص فکری گمشدگی اور سرگردانی پر منتج ہوا، کسی بھی قسم کی علمی و اخلاقی یقین کے فقدان کی صورت میں سارے کے سارے امور اضافی اور مساوی ہو گئے اور لاموجودیت (Nihilism)، اہداف کا فقدان، اقدار، پیمانوں، انجام سے ناآشنائی کی فکر ہی فلسفہ حیات قرار پایا۔ پھر اُنیسویں صدی کے فلسفی اور مفکرین میدان میں آئے اور نام نہاد روشن خیالی اور انسانی مرکزیت کے فلسفیانہ اوہام کو ختم کرنے کی تحریک چلائی۔ اب انسانیت کے بخیے اُدھڑنے لگے اور خالص مادی عناصر کی طرف اس کو لوٹایا گیا، ڈارون کے نظریے کے ذریعے انسان کو حیوانیت تک پہنچایا گیا، جس کو ڈارون نے

اپنی کتاب On the Origin of Species میں بیان کیا ہے، یعنی انسان بھی دیگر جانوروں کی طرح ایک جانور ہے، اسی وجہ سے انسانی زندگی اور اعلیٰ اقدار کے بارے میں اس کی آراء کی قیمت کسی کیڑے یا بیکٹیریا سے متعلق آراء سے زیادہ نہیں۔ اور یہ کہ مادی بقاء ہی ترقیاتی کامیابی کے لیے واحد معیار ہے۔ جدید ڈارونزم ہی جرمن فلسفیوں کا، بشمولِ فریڈرک ولیم نطشے کے، پسندیدہ اور مسلمہ فلسفہ بن گیا۔ نطشے کا فلسفیانہ نظریہ "der Wille zur Macht" ("will to power") کے گرد گھومتا ہے۔ اس فلسفے میں اس نے یہ واشگاف کیا کہ طاقت ہی معیار، پہلا اور آخری پیمانہ ہے، اور بقاء طاقتور کے لیے ہے، غلبہ اور تسلط سب سے زیادہ طاقتور کے لیے ہے، اور یہ کہ کش مکش کا خاتمہ کرنے کے لیے طاقت ہی فطری اور مادی طریقہ ہے۔ ان کے تصور میں کوئی انسانی اقدار نہیں، روایات نہیں، اخلاقیات نہیں، کوئی مقدس یا گناہگار نہیں، کوئی حلال و حرام نہیں، نہ کوئی خیر ہے نہ شر، نہ اچھا ہے نہ برا، نہ کوئی معنی نہ مقصد، یہی کچھ نطشے نے اپنی فلسفیانہ دعوت میں بیان کیا، تاکہ اب تک جدید سیکولر فکر پر چھائے رہنے والے تصورِ خدا کی "تاریکی" کا ازالہ کرسکے۔ نطشے کے مطابق آگہی اور شعور کو بعد الطبیعات (metaphysics) سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مطلق علمی ترتیبات سے نکلنا پڑے گا۔ کیونکہ اقدار کا کوئی مقصد نہیں، نہ ہی خیرِ مطلق اور مطلق انصاف کا کوئی مطلب ہے، اور خواہ کائنات کی مادی مقصدی تشریح کی جائے یا دینی تشریح۔ اس مرحلے پر آکر مغربی فکر حقیقت میں لاموجودیت Nihilism کے مرحلے تک پہنچ گئی۔

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ، جبکہ استعماری درندگی کرۂ ارض پر انسانی تاریخ میں اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی، مغربی تہذیب نے بہت بڑے انسانی بحران کو جنم دیا۔ جنگ عظیم اول اور دوم میں دنیا کو ایک خوفناک انسانی قصاب خانے میں بدل کے رکھ دیا تھا۔ پہلی جنگ میں 16 سے 20 ملین انسانی جانیں ضائع ہوئیں، جبکہ دوسری جنگ عظیم میں 62 سے 78 ملین نفوس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، یوں انسانی عقل کی ڈراؤنی شکست سے پردہ اُٹھ گیا، نیز مغربی فکر کے علمی ضیاع اور کھوکھلے پن سے بھی پردہ اٹھ گیا، حادثات، انسانی بحران پھوٹ پڑے، جو اسی تہذیب

کی دین ہے۔ زندگی کے بارے میں اس کا فلسفہ جھڑ گیا، اب یہ کام شروع کیا کہ اپنے نقصانات اور تباہیوں کو فلسفہ بنا کر پیش کرے، یوں مغربی فکر اپنے جدید پیرائے میں سامنے آئی، آجکل اسے پوسٹ ماڈرنزم کہتے ہیں۔

جورجن ہابر ماس (جدیدیت کا جرمن ناقد) کا خیال ہے کہ پوسٹ ماڈرنزم کے ساتھ "پوسٹ" کا سابقہ پوسٹ ماڈرنزم کے داعیوں کے ہاں ماضی سے دوری میں دلچسپی کا اشارہ دیتا ہے۔ مزید یہ کہ اسی وقت یہ اصطلاح ان کی بے بسی کی تعبیر بھی ہے کہ وہ اپنی تہذیب کو کیا نام دیں، "کیونکہ ہم نے تاحال مستقبل میں آنے والے مسائل کا حل نہیں پایا"۔ ہابر ماس کی ان باتوں کا مقصد محض Nihilism سے بے مقصدیت (زندگی کھیل کود ہے) اور سوفسطائیت (غلط مفروضوں پر مبنی غلط نتائج) کی طرف منتقل ہونا تھا۔ اسی مضمون کا اظہار "فوکالٹ" اور "دریدا" وغیرہ، دیگر فلسفیوں نے اپنی آراء و افکار میں کیا ہے۔ دریدا نے یہ کہہ کر اس کو واضح کیا کہ: "کیونکہ یہ ضروری ہے کہ انسان کے پاس عقل ہو تاکہ وہ اپنے آپ کو نمایاں کرسکے"۔ در حقیقت اس کی کتاب "L'écriture et la difference" ("Writing and Difference") ایک فکری گڑھا ہے جو اس فکری لا مقصدیت کی تعبیر کرتی ہے جس کے ہوتے ہوئے تمام مقاصد و اہداف یا بنیادیں معدوم ہوئی ہیں۔ اگرچہ ماڈرنزم خود ایک لا موجودیت اور بے مقصدیت ہی ہے، لیکن پوسٹ ماڈرنزم تو خالص عدمیت اور عبثیت ہے۔ آخری نتیجے اور تازہ تجزیے میں مغربی فکر کی انتہاء خالص اندھیرے پر ہوئی ہے، جس میں ذرہ برابر روشنی کا وجود نہیں۔ انسان کی موت سے متعلق مائیکل فوکالٹ اپنی باتوں میں مغربی فلسفہ کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کرتا ہے: "انسان بس اتنا ہی کچھ کرسکتا ہے کہ جو شخص انسان، اس کے اختیار اور آزادی کے بارے میں بات کرے، ایک فلسفیانہ مسکراہٹ سے اس کا سامنا کرے"۔

مغربی ادبی کاموں نے پوری امانت اور خالص سچائی کے ساتھ مغرب کی تہذیبی حادثے کو بیان کیا ہے، نیز اس کے احساسِ زیاں اور مغربی ماڈرنسٹ سیکولر انسان کے دل کی ناامیدی کو ظاہر کیا ہے، ٹی ایس ایلیوٹ (TS Eliot) کی ایک نظم "بنجر زمین" جو 1922ھ میں شائع ہوئی، نہایت امانتداری سے عالمِ مغرب اور بحرانوں،

خدشات، گھبراہٹ اور بانجھ خواہشات میں گری اس کی تہذیب کی شرمندگی کو بیان کرتی ہے، قصیدہ کہنے والا کہتا ہے:
"What are the roots that clutch, what branches grow Out of this stony rubbish?", کیسی اُلجھی جڑیں ہیں؟ ان سے ٹہنیاں کیسے نکلیں گی؟ یہ تو بالکل پتھر ہو چکی ہیں"۔

اس کے بعد جرمن ناول نگار Franz Kafka نے ("Die Verwandlung") "The Metamorphosis" کہانی لکھی۔ کہانی مغربی زندگی کے ڈراؤنے خواب، اس کی بد حالی اور بد قسمتی کے گرد گھومتی ہے، جس بد قسمتی کے ہوتے ہوئے صرف خودکشی ہی خلاصی سمجھی جاتی ہے، "Letters to Milena," میں وہ کہتا ہے: "میں نے اپنی پوری زندگی اس خواہش کے ساتھ مقابلہ کرتے گزاری ہے کہ کاش! زندگی ختم ہو جائے"۔ کہتا ہے: "زندگی پوری کی پوری ایک جنگ ہے، اپنے ساتھ جنگ، اپنے حالات کے ساتھ اور ان احمقوں کے ساتھ جنگ، جنہوں نے یہ حالات پیدا کیے"۔ کافکا کی ادبی کاموں کی باریک اور راست تعبیر کرتے ہوئے راجر گاراؤدے (Roger Garaudy) کہتا ہے: "ہماری اسی دنیا سے ہی مواد لے کر اور اس کو نئی ترتیب دے کر یہ سیاہ دنیا پیدا کی گئی"۔ مغرب کی تہذیبی بحران کی صحیح ترین تعبیر وہ ہے، جس میں گزشتہ صدی 1990 میں میکسیکو کے نوبل انعام یافتہ شاعر Octavio Paz نے موجودہ عالمی حالات کی تصویر کشی کی ہے: "ہم ایک تباہ کن مرحلے میں جی رہے ہیں، بات کرنے سے گریز کا مرحلہ، جہاں ہر چیز میں گھٹیا پن سرایت کر گیا ہے۔ ہم آج ایک خلاء کے سامنے کھڑے ہیں، اور ہمارے پاس ایسی کوئی چیز بھی نہیں جس سے اس خلا کو پُر کر سکیں۔ اور میری رائے میں آج کے معاشرے کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اس میں کوئی معنویت ہی نہیں"۔ اس حقیقت کو راجر گاراؤدے نے مغربی تہذیب سے متعلق اپنی کتاب میں "قبریں کھودنے والے۔۔۔ انسانیت کے لیے قبر کھودنے والی تہذیب" کے باب میں واضح کیا ہے، وہ کہتا ہے: "ماڈرنزم کا خیال ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی ہی ترقی کے واحد معیار ہیں۔ وسائل اور مادیات کا یہ مذہب ہمیں گڑھے کی طرف کھینچ لے جا رہا ہے، قبریں کھودنے والے وہی ہیں جو اس کی ترویج کرتے ہیں، وہ بغیر کسی سمجھ بوجھ کے ہماری قبریں کھود رہے ہیں۔ کسی الٰہ کے وجود پر عقیدہ و ایمان کے بغیر زندگی

کا کوئی معنی، کوئی مطلب ہی نہیں"۔ وہ مزید کہتا ہے: "اس آئیڈیالوجی کی علامت یہ ہے کہ یہ ایک انتہا پسند انفرادیت پر زور دیتی ہے، ایسی انفرادیت جو انسان کو انسانیت کے طول و عرض سے کاٹ کر رکھ دے، اور بالآخر اس آئیڈیالوجی نے دنیا کو دفنانے کے لیے قبر کھود ڈالی ہے"۔

چنانچہ مغرب نے اپنی پلید فکر کے ذریعے خاصے طویل عرصے تک دنیا کو اپنے لیے جائز کیے رکھا اور انسانیت کا حادثہ اور اس کا بحران وسیع ہوتا رہا۔ اس حادثے اور بحران کے اجزائے ترکیبی کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ مغرب نے ان حادثاتی علمی و اخلاقی نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جو اس کے مادی سیکولر نقطہ نظر سے پیدا ہوئے تھے۔ بلاشبہ مغرب کی مادی تہذیب نے جس حقیقت کو جنم دیا تھا، مغرب اس کو بحران میں پھنسا ہوا دیکھ رہا ہے لیکن اس میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اس حقیقت میں اس طرح تبدیلی لائے جو اس کی ترقی کا باعث بن جائے۔ اس کے پاس اقدار، روایات اور اخلاق کا کوئی توازن نہیں، جس کے ذریعے وہ اس بحرانی حقیقت کا سامنا کر سکے جس کو اس نے اپنے ہاتھوں ایجاد کیا ہوا ہے، وہ اس کا سامنا کیلکولیٹر، کمپیوٹر اور اعداد و شمار سے کرنا چاہتا ہے، جو موت کا پیام دیتے ہیں، نہ کہ زندگی کا، اس تباہی کا پیغام دیتے ہیں جو اس کی مادی مشینوں نے مچائی ہے، نہ کہ آباد ہونے کا۔

یہ مادی بت جو اَب گل سڑ جانے اور گل ُہو جانے کے مرحلے میں پہنچ گیا ہے، اپنے آپ کو عظیم دینِ اسلام کے سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے، جو رب العالمین نے بھیجا ہے۔ اس دین کی فکری اور علمی بالادستی کے سامنے اپنے آپ کو تہذیبی پہلو سے بالکل ننگا اور بے لباس دیکھ رہا ہے۔ اس دین کے علمی آلات علم والے قطعی و یقینی اور خالص، اس خلاقِ اکبر کی طرف سے ہیں جس نے کائنات، انسان اور حیات کو پیدا کیا، لہذا اس کو اپنے جوابات، تصورات، معیارات، اور احکام و قوانین کے ثبوت میں دلیل اور حجت کی کمی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس لیے اس کی علمی فوقیت ہی اس کی بلند ترین تجلی اور عظیم ترین چیلنج ہے۔

عظیم اسلام کا علمی چیلنج اور بالادستی

اسلام ایک مخصوص طرزِ زندگی ہے۔ یہ تہذیبی اعتبار سے باقی ہر تہذیب سے ممتاز و منفرد ہے۔ اس کی فکری ساخت منفرد ہے کیونکہ اس کی علمی بنیاد علیم و خبیر ذات کی طرف سے وحی پر ہے۔ ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ **"اس کو ہر مخلوق کا علم ہے"** (یسین:79)۔ ﴿وَهُوَ ٱلْخَلَّـٰقُ ٱلْعَلِيمُ﴾ **"وہ بڑا پیدا کرنے والا علم والا ہے"** (یسین:81)۔ ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ﴾ **"جس نے پیدا کیا، کیا وہ نہیں جانتا، جبکہ وہ باریک بین اور خبردار ہے"** (الملک:14)۔

اس کی فکری اساس اس کا وہ فکری قاعدہ ہے جس پر زندگی میں رویے اور نظامہائے حیات کے بارے میں اس کی ہر فروعی فکر مبنی ہے، اور یہ فکری اساس ایک معبود کے وجود کا قطعی یقین ہے، اور یہ قطعی یقین کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، یہ قطعی یقین کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اسی یقین سے اس کے تمام عقائد اور احکامات نکلے ہیں۔

عظیم دینِ اسلام کی یہ فکری اساس اسلامی عقیدہ ہے، یہ عقیدہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، یعنی انسانی فطرت کی اپنی محتاجگی اور انسانی بے بسی کا اعتراف، یعنی بے بسی، کوتاہی، اور محدود ہونے کا وہ اصل انسانی احساس جو ایک خالق مدبر کے احساس کو جنم دیتا ہے، یعنی انسان کے اندر جبلت تدین کا طبعی و فطری مظہر۔

اسلامی عقیدہ عقلی عقیدہ ہے۔ یہ وجود سے متعلق بڑے بڑے سوالات کے جوابات میں عقل پر اعتماد کرتا ہے، خواہ اس وجود کی تشریح ہو، مقاصد ہو یا انجام ہو۔ یعنی انسان کے عُقدۂ کبریٰ اور اس کی عمارت کی اساس عقل ہے، اس کے جوابات یقینی، قطعی اور انسانی عقل کو قائل کرنے والے ہیں۔

یہ مضبوط فکری اساس ہی وہ فکری قاعدہ ہے، جس پر تمام افکار مبنی ہیں، اور اسی سے تمام نظامہائے حیات نکلتے ہیں، یہ اپنے ماننے والوں کو ایک مخصوص، محدود اور منفرد نقطۂ نظر کی طرف لاتا ہے۔ ایک خاص طرزِ زندگی جس میں افکار، واقعات اور حوادث پر یقینی و قطعی نقطۂ نظر سے حکم لگایا جاتا ہے، جس میں شک و شبے کی کوئی راہ نہیں یہی اس کی منفرد، فکری یقینی و قطعی قیادت ہے۔

بلاشبہ اسلامی عقیدہ کی حقیقت یعنی یہ حتمی ایمان کہ اللہ تعالیٰ واحد اور اَحد ہے، جس نے کائنات، انسان اور حیات کو پیدا کیا، وہی کائناتی اشیاء کا نظام چلانے والا ہے، اور یہ کہ زندگی فانی ہے، انسان کا انجام یا تو جنت ہے یا جہنم، اور یہ کہ رزق صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور یہ کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے جسے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا ہے، تاکہ انسان ایک منظم زندگی قائم کر سکیں، یہ قرآن مجید سیدنا حضرت محمد ﷺ کو وحی الہیٰ سے دیا گیا۔ اسی ذات نے اس دنیا کو پیدا کیا تاکہ یہ انسان کے لیے امتحان گاہ بنے، ﴿**ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلۡمَوۡتَ وَٱلۡحَيَوٰةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ أَيُّكُمۡ أَحۡسَنُ عَمَلٗاۚ وَهُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡغَفُورُ**﴾ **"جس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل زیادہ اچھا ہے"** (الملک: 2)۔ پھر یا جنت یا جہنم، جنت ٹھہرنے کا گھر ہے، اس کی ابتدا تو ہے لیکن انتہا نہیں، ﴿**وَإِنَّ ٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَ لَهِيَ ٱلۡحَيَوَانُۚ لَوۡ كَانُواْ يَعۡلَمُونَ**﴾ **"آخرت والا گھر ہی اصل زندگی ہے، کاش! وہ جانتے"** (العنکبوت: 64)۔ اس میں وہ سب کچھ دستیاب ہوگا جس کی انسانی دل خواہش کرے، اور آنکھوں کو بھائے۔ ایسی نعمتیں جو انسان کے وہم و گمان میں کبھی نہیں آئی ہوں گی۔ یہ پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ﴿**وَٱلۡعَٰقِبَةُ لِلۡمُتَّقِينَ**﴾ **" اور آخرت کا بہترین انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے"** (القصص: 83)۔ اور یہ کہ جہنم عذاب کی جگہ ہے، جس میں لوہے کی مار ہے، اس کا کھانا زقوم ہے، اور وہاں پینے والی چیز وہ ابلتا اور جوش مارتا پانی ہے جو انتڑیوں کو کاٹ کے رکھ دے گا، اس کا عذاب لا متناہی ہے، وہ مسلسل جاری رہے گا، اس میں کمی نہیں کی جائے گی، نہ ان کے بارے میں موت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿**وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لَهُمۡ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقۡضَىٰ عَلَيۡهِمۡ فَيَمُوتُواْ وَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُم مِّنۡ عَذَابِهَاۚ كَذَٰلِكَ نَجۡزِي كُلَّ كَفُورٖ**﴾ **" جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے، ان کے بارے میں موت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں، نہ عذاب کم کیا جائے گا، ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں"** (سورۃ فاطر: 36)۔ یہ تمام ہولناکیاں غالب، بلند، قہار جبار کے پاس ہی ہیں، ﴿**لِيَذُوقُواْ ٱلۡعَذَابَۗ**﴾ **"تاکہ عذاب کا مزہ چکھ لیں"** (النساء: 56)۔ جب صرف چکھنے کے لیے جہنم کی یہ حالت ہے تو پھر اصل عذاب کیسا ہوگا، اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ﴿**قُتِلَ ٱلۡإِنسَٰنُ مَآ أَكۡفَرَهُۥ**﴾ **" خدا کی مار ہو ایسے انسان پر، وہ کتنا ناشکرا ہے!"** (عبس: 17)۔

یہ ہے اسلام کا عقیدہ اور اس کے زبردست جوابات اور انسانی دلیل کے مقابلے میں اس کا غلبہ۔ اس کا قطعی یقین ایمان پیدا کرتا ہے، جو عبداللہ بن مسعودؓ کو جن کی پنڈلیوں کو نحیف ہونے کی وجہ سے ہوا ہلاتی تھی، بڑا آدمی بناتا ہے، جس کے دونوں قدم اللہ کے ہاں جبل اُحد سے زیادہ مضبوط ہیں، یہی عقیدہ اس خدائی عزت و تکریم کی طرف اور مسجودِ ملائکہ ہونے کا صحیح حقدار ہونے کے مرتبے پر فائز ہونے کا راز ہے۔

اس طرح یہ عظیم اسلام انسان کو اس کے اعمال کا ایک اٹل پیمانہ بنا کے دیتا ہے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، نہ اس میں کوئی ترقی ہوتی ہے، نہ ہی حالات کے دباؤ یا کسی انسانی قانون ساز کی خواہشات کا تابع ہوتا ہے، اسی لیے ایک مسلم انسان قبیح اور حسن افعال کو جانتا ہے، لہذا وہ قبیح فعل سے روکتا ہے اور حسن فعل کی کوشش کرتا ہے، یہ پیمانہ علیم و خبیر کی طرف سے ہے، جو اس نے اپنی مخلوق کے لیے جاری فرمایا ہے، ﴿**وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ**﴾ **"اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو"** (النور: 19)۔ یہ پیمانہ دائمی اور اس کی صحت اٹل اور یقینی ہے، اس پیمانے کی موجودگی میں کبھی بھی ایک حسن قبیح نہیں بنتا، نا ہی قبیح کبھی حسن بن سکتا ہے۔ امور کا ادراک ان کی حقیقت میں کیا جاتا ہے، یوں انسان سیدھے راستے پر اور اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر چل رہا ہوتا ہے۔ ﴿**أَفَمَن يَمۡشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجۡهِهِۦٓ أَهۡدَىٰٓ أَمَّن يَمۡشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ**﴾ **"بلا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چل رہا ہو، وہ منزل تک زیادہ پہنچنے والا ہوگا یا ہو جو ایک سیدھے راستے پر سیدھا سیدھا چل رہا ہو؟"** (الملک: 22)۔

جہاں تک اسلام میں خوشی کا تصور ہے تو یہ اللہ کی خوشنودی کا حاصل ہونا ہے اور اس کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا مستحق ہونا اور ان جنتوں کی زندگی ہے جن کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے، جن کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اسلامی عقیدہ رکھتا ہو، رضائے الٰہی ہی اس کا مطلوب اور آخری آرزو ہے۔ چنانچہ اسلام میں خوشی ایمان سے پھوٹتی ہے جس کی اساس یقینی اور قطعی ہے، یہ ایمان قطعی طور پر دائمی اطمینان بخشتا ہے، اس لیے اسلام کی خوشی حقیقی ہے جو یقین سے پیدا ہوتی ہے، کوئی خواب و خیال اور وہمی چیز نہیں، سراب نہیں، بلکہ حقیقت ہے۔

اسلام نے انسان کو ہر طرح عزت دی ہے، اس کی بناوٹ، عقل، ذمہ داری اور انجام کے اعتبار سے انسان کا بڑا مرتبہ ہے، ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ **"اور یقیناً ہم نے انسانوں کو عزت دی ہے، اور انہیں خشکی و سمندر میں سواریاں عطا کی ہیں، انہیں پاکیزہ چیزیں رزق میں دیے، اور انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر برتری اور فضیلت دی ہے"** (الاسراء:70)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا عظیم اسلام دے کر اس پر اپنی نعمت مکمل کر دی۔ یہ اسلام ہی ہے جو انسان کے لیے مکمل علاج ہے۔ اسلام نے اس کو منفرد شخصیت دی جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اسلامی عقیدہ کے ذریعے اس کے افکار کا علاج کیا، اس کے لیے ایک یقینی قطعی فکری قاعدہ مقرر کیا جس کے ذریعے وہ افکار کو جانچتا ہے، اور خراب و فاسد افکار سے بچتا ہے، اس کے نتیجے میں وہ فکری لغزشوں سے امن میں ہوتا ہے، درست فکر اور محفوظ ادراک والا بن کر رہتا ہے۔ انسان کے اعمال، جو اس کی عضویاتی حاجات اور جبلتوں سے صادر ہوتے ہیں، ان کا احکام شرعیہ کے ذریعے حل دے دیا، یہ احکام اس کے اختیار کردہ اسلامی عقیدے سے نکلتے ہیں، جو ایک درست حل ہے، جو جبلتوں کو منظم کر دیتا ہے، ان جبلتوں پر قدغن نہیں لگاتا، بلکہ اس کو ترتیب دیتا ہے، آزاد نہیں چھوڑتا، اس کے تمام بھوکوں کے لیے موزوں اور مناسب تسکین کا انتظام کرتا ہے، جس سے انسانی زندگی میں اطمینان اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کا نظام حیات ہی وہ واحد نظام ہے جس کے ذریعے انسانی زندگی کو منظم کیا جا سکتا ہے، ایسی تنظیم جو کائنات سے ہم آہنگ ہے کیونکہ وہ کائنات، انسان اور حیات کے خالق کی طرف سے ہے۔ ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ﴾ **"ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے"** (القمر:49)۔ ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُۥ تَقْدِيرًا﴾ **"اس نے ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ اس کا خوب اندازہ کیا"** (الفرقان:2)۔ ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُۥ بِمِقْدَارٍ﴾ **"اس کے پاس ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے"** (الرعد:8)۔

اس نظام کی اساس کتاب و سنت ہے، یہی دونوں شریعتِ اسلامیہ ہیں۔ اس پر عقلی یقینی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ کتاب و سنت اللہ کی طرف سے وحی ہیں، یعنی یہ کہ شریعت اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ یہ انسان کے بنائے ہوئے کوتاہ،

بے بس اور فاسد قانون سازی کے نظریات نہیں، کہ جب بھی اس کو حالات وواقعات پر لاگو کیا گیا، اس کا بودا پن اور فساد کھل کر سامنے آیا، بلکہ یہ علیم وخبیر کی طرف سے وحی ہے، اس کے شرعی احکام درست حل ہیں۔

علمی چیلنج میں اس دین اور اس کی شریعت کا یہ کمال ہے کہ یہ زمان ومکان کی قیود سے ماورا ہے، اس کے عام معانی نئے واقعات پر بھی لاگو کیے جاتے ہیں اور ان کے لیے متعلقہ شرعی احکام سے عملی حل نکالے جاتے ہیں۔ سو اسلامی شریعت شرع کے اجمالی نصوص کا ہی نام ہے، جو بنی نوع انسان کے تمام حالات وواقعات پر لاگو کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے قانونی نصوص کی حقیقت یہ ہے کہ یہ عام اور مجمل آئی ہیں، تاکہ ان کو مختلف حقیقتوں اور حوادث پر منطبق کرنا ممکن ہو۔ شرعی نصوص خواہ قرآن ہو یا سنت، مطلق تعمیم کا سب سے زیادہ وسیع ترین میدان ہیں، (عمومی قواعد کے لیے زرخیز زمین ہیں)۔ یہی قانون سازی کی عطاء کی چوٹی ہے، شریعت کی وسعت اور تمام انسانوں کے تمام تعلقات کا گھیراؤ تو اپنی جگہ، پھر یہ تعلقات افراد کے ایک دوسرے کے ساتھ ہوں یا ریاست اور رعایا کے درمیان ہوں یا پھر ملکوں، یا قوموں کے درمیان ہوں، سب سے زیادہ قابل اور مطلقاً سب سے زیادہ شامل ترین قانونی نصوص ہیں، یہی اس کی چیلنج کی انتہا ہے۔ اس کا جامع ہونا اس کے عام ہونے کے باعث ہے جس سے تمام تعلقات کا احاطہ ہوتا ہے۔ اسی عمومیت کی تعبیر کچھ جملوں، الفاظ اور اس کے نصوص کا اسلوب اور تہذیب بنتی ہے، جو منطوق، مفہوم، دلالت، تعلیل اور علت پر مبنی قیاس تک شامل ہے، جس کی بنیاد پر استنباط واجتہاد سہل اور آسان اور دائمی ہو جاتا ہے۔ جس سے ہر انسانی عمل کے لیے حکم نکالا جاسکتا ہے، یہی اس کا کمال اور عموم ہے۔ یہ اپنی وسعت کی وجہ سے منفرد وممتاز ہے جو تمام واقعات اور حوادث کا احاطہ کرتا ہے، ماضی ہو، حال ہو یا مستقبل۔ یہ اپنے نصوص کو عمومی ہدایت کی شکل میں ڈھال کر عام قواعد اور عام معانی کے لیے سب سے زیادہ زرخیز بناتا ہے، جس کے تحت دیگر کلیات اور جزئیات داخل ہوتے ہیں۔

اس کا سب سے بڑا چیلنج انسان کا بحیثیت انسان معالجہ ہے، یعنی اس کے تمام معالجات انسان کی ضروریات اور جبلتوں پر بحیثیت انسان انڈیل دیے گئے ہیں، یعنی یہ مخصوص افراد کے مسائل کے لیے حل دینے کی بجائے مطلق انسانی فعل کے حکم کے بیان پر مرکوز ہوتے ہیں۔ یوں یہ نسل، ماحول اور زمان ومکان کی حدود کو پھلانگ کر تمام

قوموں کے مسائل کا حل دیتے ہیں ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ "آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کر لیا" (المائدہ: 3)۔

تہذیبی کش مکش کا خاتمہ

علمی، فکری اور انجام کے اعتبار سے یہ اسلام کا ایک انتہا کو پہنچا ہوا چیلنج ہے۔ انجام کے حوالے سے اسلامی تہذیب بالادست رہی، پھر اس پر زوال آیا، لیکن یہ پھر سے انگڑائی لے رہی ہے اور نئے سرے سے اقوام کی قیادت و امامت کے لیے تیاری میں ہے۔ جہاں تک علمی اور فکری اعتبار کی بات ہے، اسلام بلند رہنے والا دین ہے، یہ مغلوب کبھی نہیں ہوگا، بھاری بھر کم (دیو ہیکل) زبردست اسلام نے مغربی کے کھوٹ کی حقیقت، اس کی علمی بے مائیگی اور اس کے تباہ کن فکری بحران کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اب مغرب مکمل طور پر ننگا ہو کر سامنے آیا ہے، اب کوئی بھی میک اَپ اس کے کام نہیں آتا۔ اب اس کا اصل قبیح ترین چہرہ بے نقاب ہو کر کھل گیا ہے، اور اسلام کے خلاف اب اس کے آخری اسالیب اور وسائل درندگی، خونریزی، اسلام کو پریشان کرنے کے لیے اس کی ناکام کوششیں اور اسلام کی بنیادوں اور احکامات میں ردوبدل کرنا وغیرہ رہ گیا ہے۔

انسانیت اس قبر کے کنارے کھڑی ہے جسے اس کے لیے مغربی تہذیب نے کھودا ہوا ہے۔ اس لیے نہیں کہ انسانیت پر مغربی طرز زندگی کی تلوار لٹکادی ہوئی ہے، کیونکہ یہ تو اصل بیماری کی علامت ہی ہے، اصل مہلک مرض خود یہی مغربی تہذیب اور انسان کی انسانیت کو کچل دینا ہے، اس کی فکر اور شعور کو مسخ کرنا ہے۔ سرمایہ دارانہ جنگل کی تخلیق جس میں طاقتور کمزور کو اس بے دردی سے چیر پھاڑتا ہے، کرہ ارض پر انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہی انسانی بحران کی حقیقت ہے، جس کے ہوتے ہوئے اب اسلام پر یہ حتمی لازم بنتا ہے کہ وہ انسانیت کو بچائے اور امن کی

جانب اس کی قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے، انسانیت کے لیے یہ زمانہ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور بے چینی سے بھرا زمانہ ہے۔

بلا شبہ اسلام کے لیے وہ وقت آپہنچا ہے کہ وہ انسانیت کو اس کے پروردگار کی طرف واپس موڑ دے، اس کے پسندیدہ دین کی طرف اس کو متوجہ کردے۔ عالیشان اور باعزت زندگی کی طرف اس کو موڑ دے جو انسانی کرامت و احترام کے عین مطابق ہے جو اللہ نے انسان کے لیے مقدر کیا ہوا ہے۔ وقت آچکا ہے کہ اسلام انسانی شرافت و پاکیزگی اور عزت و تکریم انسانوں کو واپس دلادے، انسانوں کو ان کے رب، ان کے خالق و مُصوِّر نے جس بے مثال خطاب سے نوازا تھا، ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ **"جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں"** (البقرۃ:30)۔ ان کو دوبارہ اس خطاب کا حقدار اور مستحق بنائے۔ اسلام اور امت مسلمہ کے لیے یہ وقت ہے کہ وہ لوگوں کو سفاک مغربی تہذیب کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور اور عدل و انصاف کی طرف لے چلیں، مغربی تہذیب کے سایے تلے زندگی کی تنگیوں، پریشانیوں، محرومیوں اور بے چینیوں سے نکال کر اسلام کے سائے تلے دنیا و آخرت کی وسعتوں کی طرف لے آئیں۔ اب امت پر وہ وقت آگیا ہے کہ وہ قیادت و سرداری کے اس بہترین دور کا دوبارہ آغاز کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کا مطلوب پورا ہو، اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ،وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ **"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے نکالی گئی ہو، تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول ﷺ تم پر گواہ بنیں"** (البقرۃ:143)۔

لیکن یہ عظیم اسلام صرف اس وقت اپنا کردار ادا کرسکے گا، جب اسلامی طرزِ زندگی کو از سرِ نو واپس لایا جائے، اسی سے زندگی کے تمام تصورات، حالات، فضائیں، نظام، اقدار، پیمانے اور معیارات خالص اسلامی بن جائیں گے۔ ایسا

صرف اس وقت ممکن ہے جب اسلام اپنے سیاسی وجود یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے ذریعے عملی فریم ورک میں نظر آئے۔ خلافت ہی اسلامی عظمت، عدل، رحمت اور طاقت و قوت کا شرعی ترجمان ہے۔ اس امت کی یہ اسلامی بیداری، جبکہ اسے دنیا اور اس کی قیادت سے غائب ہوئے ایک صدی ہونے کو ہے، صرف اس طرح ہو گی کہ مجرم مغرب سے قیادت چھین لی جائے۔ یہ بات بھی ایک عالمی کش مکش کی صورت میں ثابت ہو گی، جب خلافت یورپی ریاستوں سے زبردستی اور حقیقی طور پر اُمور کی باگ اپنے ہاتھ میں لے گی، یوں اس تہذیبی کش مکش کا خاتمہ ہو کر مغربی غربت و بد قسمتی کی تہذیب کی کتاب ہمیشہ کے لیے بند کر دی جائے گی۔

بلاشبہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کا قیام اسلام اور کفر کے درمیان جاری کش مکش کا اہم رکن ہے۔ اس کش مکش میں مطلوبہ ذریعے کے بغیر کودنا سادگی، کم فہمی اور سیاسی سمجھ بوجھ کے فقدان کی علامت ہے، وہ ذریعہ اس کا عملی وجود یعنی اسلامی ریاست خلافت ہے جس کی موجودگی میں ہی حقیقی عدل، عزت، انسانی خوش قسمتی اور بھلائی مجسم شکل میں سامنے آتی ہے، دور و نزدیک، مسلمان اور کافر سب اس کو کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں۔ اُس وقت ہی انسان اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوں گے اور اسلام کی تہذیبی کش مکش کی انتہاء ہو گی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ نے قطعی نصوص میں ہم سے اسی کا وعدہ کیا ہے ﴿**وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِي ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْـًٔا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ**﴾ "**اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کو ضرور زمین میں خلافت عطاء کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت سے نوازا، ان کے دین کو غالب کرے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا، ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہیں بنائیں گے۔ اس کے بعد بھی کوئی کفر کرے گا تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں**" (النور: 55)۔ اور یہ حدیث مبارکہ کہ **(ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)** "**پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی**"۔

اے مسلمانو! اسلام کے لیے اب وہ وقت آچکا ہے کہ وہ اس کش مکش کو ختم کردے اور بد بختی اور غربت کی ماں، مغربی تہذیب کی کھودی ہوئی قبر کی طرف لے جانے والے انسانی بحران کو حل کردے۔ اللہ کے کیے ہوئے وعدے پر یقین کرلو، خلیفہ کے مقرر کرنے کے لیے میدانِ عمل میں موجود نوجوانوں کے ساتھ ہو کر اس عمل میں شامل ہو جاؤ، اپنے لیے اپنے میں سے کسی ایک آدمی کے ذریعے اپنا معاشرہ قائم کرو، جو خلفائے راشدین کی سیرت و کردار کا حامل ہو، تمہارے اوپر دین نافذ کرے، اور تمہیں رب کی خوشنودی کے راستے پر چلائے، بھرپور تیاری میں رہے، تمہاری امت کو اکٹھا کردے اور اس کے انتشار کا ازالہ کردے، تمہاری شان و شوکت کا محافظ ہو، تمہارے درمیان عدل قائم کرے، اور تمہارے حقوق برابر تقسیم کرے، پوری انسانیت کو یورپ کی شروں اور جرم کاریوں سے بچالے، اور اس آدمی کے ہاتھ اللہ تعالی پورے دین کو غالب کردے، بھلے مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار ہو۔

اے اللہ اس امت کو اپنی رضا کی طرف ہدایت کردے، ان اعمال کی طرف ان کو ہدایت دے جو انہیں تیری نصرت کا اہل بنادے، یاارحم الرّٰحمین! ہم تجھی سے فریاد کرتے ہیں، تیری پناہ میں آتے ہیں۔ ہم کمزور انسان تیری درگاہ کی چوکھٹ پر، تیری فریاد رسی اور مدد کے محتاج، گڑگڑانے آئے ہیں۔ اے اللہ اپنے دین کو نصرت عطاء کردے، اور اے اللہ اپنے وعدے کو سچا کردے، اپنی نصرت نازل کردے، اللھم آمین! اللھم لک الحمد علیٰ کل حالٍ و فی کل حین!

فہرست

شرعی نصوص کی روشنی میں جہاد کا مفہوم

خالد ابراھیم العمراوی

ا۔ جہاد کا لغوی معنی:

"الجهاد" کا رباعی فعل مصدر جَاهَدَ ہے، یہ "فِعال" کے وزن پر "مفاعلة" کے معنی میں ہے یعنی دونوں اطراف کا اجتماعی فعل، جیسا کہ الخصام (باہمی تصادم) بمعنی المخاصمة (باہمی تصادم) کے ہیں اور اس کا مصدر "خاصم" ہے، اور جیسے الجدال (باہمی جھگڑا) کا معنی المجادلة (باہمی جھگڑا) ہے اور اس کا مصدر "جادل" ہے۔

اس کلمہ کا ثلاثی فعل مصدر "جَهِد" (پوری کوشش لگادینا) ہے۔ القاموس المحیط کے مصنف ثلاثی مصدر اور اس کا معنی لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ: الجَهد: الطاقة، ويُضَمُّ، والمشقة "الجَهد طاقت کے معنی میں ہے، ضمہ (پیش) کے ساتھ مشقت کے معنی میں ہے"۔ لسان العرب میں آیا ہے کہ: الجَهد «بالفتح» المشقة، والجُهد «بالضمّ» الطاقة، وفيه: الجهاد: استِفرَاغُ ما في الوسع والطاقة من قول أو فعل "کہا گیا ہے کہ "الجهد فتح (زبر) کے ساتھ مشقت کے معنی میں ہے، الجُهد ضمہ کے ساتھ طاقت کے معنی میں ہے، اور اسی میں لکھا ہے کہ: الجہاد: قول یا فعل کے ذریعے اپنی پوری وسعت اور طاقت استعمال کرنا"۔

المنجد کتاب کے مصنف کہتے ہیں کہ: جاهَدَ مُجَاهدةً وجهاداً: بذل وُسعَه، والأصل: بذل كل منهما جهده في دَفعِ صاحبه "جاهَدَ مُجَاهدةً وجهاداً کا معنی ہے مقدور بھر کوشش کرنا، اصل یہ ہے کہ: دونوں (لڑنے والوں) کا ایک دوسرے کو ہٹانے کی مقدور بھر کوشش"۔ قسطلانی نے

صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ: الجهادُ بكسر الجيم، مصدر جاهدت العدوَّ مجاهدةً، وجهاداً، وأصله: جيهاداً، كقيتالاً، فخُفِّف بحذف الياء، وهو مشتق من الجَهد، بفتح الجيم، وهو التعب، والمشقة، لما فيه من ارتكابها، أو من الجُهد بالضم، " الجہاد جیم کے کسرہ(زیر) کے ساتھ ہے، جس کا معنی دشمن سے لڑنا ہے، اور اس کی اصل جیہاد جس میں حرف ی شامل ہے جیسا کہ قیتال، پھر 'ی' کو حذف کر کے تخفیف کی گئی، یہ مشتق ہے الجَهد سے جیم کے فتح کے ساتھ، جس کا معنی تھکاوٹ اور مشقت ہے، اس کیلئے جو اس کا عزم کرتا ہے، یا یہ الجُهد سے ہے جیم کے ضمہ کے ساتھ، جس کا معنی طاقت ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو پیچھے ہٹانے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے"۔

نسیاپوری کی تفسیر میں ہے کہ :والصحيح أنَّ الجهاد: بذل المجهود في حصول المقصود "درست یہ ہے کہ جہاد مقصود کے حصول کے لیے پوری کوشش کا نام ہے"۔

لفظ "جہاد" کے لغوی معنی کے بارے میں ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد ہم جہاد کی لغوی تعریف کر سکتے ہیں جو کہ لفظ "جہاد" کی لغوی حقیقت ہو گی "اس لیے ہم کہتے ہیں کہ: الجهاد: هو استفراغ الوسع في المُدَافَعَةِ بين طرفين ولو تقديراً "جہاد: دونوں طرف سے مدافعت کی پوری کوشش کرنا ہے، چاہے وہ پوشیدہ ہی کیوں نہ ہو"۔ پوشیدہ سے ہماری مراد ہے: انسان کا اپنے نفس کے خلاف جہاد ہے، جس میں پوشیدہ بات یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر دو مخالف قوتیں رکھتا ہے جو آپس میں نبرد آزما ہیں، دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر غلبے کی کوشش کرتی ہے۔ اس تعریف میں ہم نے عربی لغات 'لسان العرب' اور 'قسطلانی کی شرح' میں جو کچھ ہے اس کو یکجا کیا اور مزید وضاحت کے لیے اس میں "چاہے پوشیدہ ہو" کا اضافہ کر دیا۔

اس لغوی تعریف کی بنیاد پر: پوری کوشش کرنا کبھی ایک مادی فعل ہو گا چاہے اسلحہ کے ساتھ ہو یا بغیر اسلحہ کے یا پھر مال دے کر یا بغیر مال کے، یا پھر یہ کوشش کرنا الفاظ کے ذریعے ہو گا۔ کبھی قول سے کبھی کسی فعل سے ہو گا جیسا کہ کوئی اس وقت اپنے والدین کی اطاعت سے باز رہتا ہے جب وہ اس کو معصیت کا حکم دیتے ہیں، ان کی جانب سے اس پر اصرار کے

باوجود وہ صبر کرتا ہے، جیسے کوئی اپنے نفس کی حرام خواہش کو پورا کرنے سے باز رہتا ہے جبکہ اس کا نفس اس کام کو کرنے کے لیے اس سے لڑتا ہے۔اسی حوالے سے تفسیر حاشیہ جمل علی الجلالین میں آیا ہے کہ :الجهادُ: هو الصبر على الشِّدة، وقد يكون في الحرب، وقد يكون في النفس "جہاد سختی پر صبر کرنا ہے یہ کبھی جنگ میں ہوتا ہے کبھی نفس میں"۔

اس لغوی تعریف کی بھی بنیاد پر ہی یہ بات بھی ہے کہ : قد يكون الطَرَفُ الآخر الذي يجاهده المسلم هو النفس، أو الشيطان، أو الفساق، أو الكفار "ایک مسلمان جو پوری کوشش کرتا ہے تو وہ کبھی اپنے نفس کے خلاف ہوتی ہے تو کبھی شیطان کے خلاف، کبھی کسی گناہ گار شخص کے خلاف تو کبھی کسی کافر کے خلاف"۔

اسی لغوی معنی کے لحاظ سے ہی جہاد کبھی اللہ کی راہ میں ہو گا جیسا کہ اللہ کی رضا کے لیے مسلمان کا جہاد، اور کبھی جہاد شیطان کی راہ میں ہو گا جیسا کہ کسی کافر کا دوسروں کے خلاف جہاد، کیونکہ جہاد، جیسا کہ نسیا پوری کہتے ہیں، مقصود کے حصول کی پوری کوشش ہے، اور یہ اس بات سے قطع نظر ہے کہ پوری کوشش کرنے والے کے پیش نظر مقصد کیا ہے۔

قرآن نے "جہاد" کو فعل کے طور پر استعمال کیا کہ وہ کافر والدین کی جانب سے مومن اولاد کو ایمان سے پھیرنے کے لیے سرگرمی کے لیے استعمال کیا: اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿**وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ ...**﴾ **"اگر وہ تم سے اس بات پر لڑیں کہ تم اس کو میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہیں تو ان دونوں کی اطاعت مت کرو، میرے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر آنا ہے"**(سورۃ العنکبوت:8) ،اور فرمایا: ﴿**وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ**

فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا...﴾ "اگر وہ تم سے لڑیں کہ میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤ تو ان کی اطاعت مت کرنا اور دنیا میں ان سے بھلائی کا معاملہ کرو" (سورۃ لقمان: 15)۔

ب۔ جہاد کا شرعی مفہوم:

لفظ "جہاد" کو شریعت نے کتاب وسنت میں اس کے عام لغوی معنی سے، جس کا پہلے ذکر ہو چکا، منتقل کیا ہے اور اس کو مخصوص معنی تک محدود کر دیا ہے جو یہ ہے: بَذلُ الوُسع في القتال في سبيل الله، مباشَرَةً، أو مُعَاونَةً بمالٍ، أو رأيٍ، أو تكثير سواد، أو غير ذلك "اللہ کی راہ میں قتال میں براہ راست یا مالی معاونت یا رائے یا افرادی قوت میں اضافے یا اس کے علاوہ کسی اور طرح پوری کوشش کرنا۔۔۔"۔ یہ واضح ہے کہ جہاد کا یہ خاص معنی صرف "مدینہ" میں تھا، جہاں تک "مکہ" کی بات ہے وہاں جہاد کی یہ وضاحت نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے مکی آیات میں "جہاد" کا لفظ اس کے عام لغوی معنی پر ہی دلالت کرتا ہے۔ یہ سورۃ عنکبوت میں تین آیات ہیں: ﴿وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ...﴾ "جو جہاد (کوشش) کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے۔۔۔" (سورۃ عنکبوت: 6)۔ ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا...﴾ "اور اگر وہ یہ جہاد (کوشش) کریں کہ تم میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی اطاعت مت کرنا۔۔۔" (سورۃ لقمان: 15)۔ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا...﴾ "اور جو لوگ ہماری راہ پر چلنے کے لیے جہاد (کوشش) کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے۔۔۔" (سورۃ عنکبوت: 69)۔

اسی طرح مکی سورت لقمان میں ایک آیت ہے جو کہ یہ ہے: ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ...﴾ "اور اگر وہ اس بات کے لیے جہاد (کوشش) کریں کہ تم میرے ساتھ وہ چیز شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی اطاعت مت کرو۔۔۔" (سورۃ لقمان: 15)۔ رہی بات مکی

سورت النحل میں جہاد کی آیت کی تو یہ ہجرت کے ضمن میں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیت مدنی ہے جو مکی سورت میں ہے۔ مفسرین نے اس کے بارے میں یہی کہا ہے، وہ آیت یہ ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ "پھر تمہارا رب ان لوگوں پر جنہوں نے آزمائش میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، جہاد کیا اور صبر کیا، بیشک تیرا رب ان کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے" (سورۃ النحل 16:110)۔

لفظ "جہاد" مدنی آیات میں 26 بار آیا ہے جن میں سے بیشتر واضح طور پر قتال کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، ان میں سے ایک سورۃ نساء کی آیت ہے ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِينَ عَلَى الْقٰعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۙ﴾ "اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والے مومن برابر نہیں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر اللہ تعالی نے درجوں میں فضیلت دے رکھی ہے یوں تو اللہ تعالی نے ہر ایک کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کا وعدہ کیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے" (سورۃ نساء: 95)۔ اس آیت میں واضح ہے کہ "جہاد" قتال کے لیے نکلنے کے معنی میں ہے، نکلے بغیر بیٹھنے رہنے والوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے، ان میں سے ایک آیت سورۃ توبہ میں یہ ہے: ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ "نکلو ہلکے اور بوجھل ہونے کی حالت میں اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہوتے" (سورۃ توبہ: 41)۔ اس میں نکلنے کے حکم کے بعد جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی جہاد قتال ہی ہے، ایک آیت یہ ہے: ﴿وَإِذَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ أَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ "جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرو

تو ان میں سے استطاعت والے تم سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں رہنے دیں ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہوں گے وہ اس بات پر راضی ہوئے کہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہوں" (سورۃ توبہ: 86)۔ ایک آیت یہ ہے: ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ "لیکن رسول ﷺ اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" (سورۃ توبہ: 88)۔ ان میں سے وہ بھی ہے جو سورۃ صف کی ابتدا میں قتال کے ذکر کے بعد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ "اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو صف بستہ ہو کر اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں" (سورۃ صف: 4)۔ اس کے بعد آیت (10) اور (11) ہیں جو "جہاد" کے نام سے اس قتال کی ترغیب دیتی ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (10) تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (11)﴾ "اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتادوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی (10) وہ یہ کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہوتے (11)" (سورۃ صف: 11-10)۔

یہ تو مدنی آیات میں "جہاد" کے لفظ کے بارے میں تھا، ان میں ہم بڑی وضاحت کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ خاص طور پر قتال پر دلالت کرتی ہیں۔ ساتھ ہی قتال کے طبعی لوازمات پر جیسے مال خرچ کرنے پر جو کہ قتال کے آلات خریدنے یا اس کی طرف جانے کے لیے ضروری ہیں، اس پر اس کی مشروعیت کی شرط کو پیش کرنا جو کہ کفار تک دعوت کو پہنچانا ہے؛ کیونکہ جیسا کہ المغنی المحتاج میں آیا ہے، کہ کفار تک دعوت پہنچانا قتال کی شرط ہے۔

اس کے ساتھ سنتِ نبوی ﷺ میں بھی لفظ "جہاد" اس شرعی معنی میں آیا ہے، جو کہ قتال اور اس کے متعلقات ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں ایسا عمل بتائیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کے برابر ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا تطيقونه "تم لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے"**، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ: ہمیں بتا دیجئے شاید ہم وہ کر سکیں، فرمایا: **مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ المجاهد "اللہ کی راہ میں مجاہد کی مثال اس روزہ دار کی طرح ہے جو قیام کرتا ہے، اللہ کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے، کبھی روزہ افطار نہیں کرتا ہے اور صدقہ دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مجاہد اپنے گھر واپس آجاتا ہے"**۔ حدیث کے سیاق سے یہ واضح ہے کہ سوال مجاہد کے بارے میں تھا۔ خاص طور پر اللہ کی راہ میں قتال کرنے کے معنی میں۔ جواب بھی اسی معنی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ "یہاں تک کہ مجاہد اپنے گھر واپس آئے"** یعنی قتال سے واپس آئے۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ: کون سا جہاد زیادہ افضل ہے؟ فرمایا: **من عُقِرَ جَوادُه وأُهرِق دَمُه! "جس کا گھوڑا مارا جائے، اور جس کا خون بہایا جائے!"**۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللَّهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيلِهِمْ قَالُوا : مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ لِئَلاَّ يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ وَلاَ يَنْكُلُوا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ : أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ . قَالَ : فَأَنْزَلَ اللَّهُ { وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا } . إِلَى آخِرِ الآيَةِ** "جب احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے اللہ تعالی نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے اندر ڈال دیا جو جنت کی نہروں پر آتے ہیں اور اس کے پھل کھاتے ہیں، جہاں چاہتے جنت میں پھرتے ہیں جب انہوں نے اپنے بہترین استقبال اور بعام و شراب کو دیکھا تو کہا: کاش ہماری قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے ہمارے لیے کیا کیا تو وہ بھی جہاد کی طرف راغب ہوتے اور اس سے پیچھے نہ ہٹتے اللہ تعالی نے فرمایا: میں تمہارے بارے میں ان کو خبر دوں گا، تمہارے بھائیوں تک بات پہنچاؤں گا اس پر وہ خوش اور شادماں ہوئے، اسی کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

(وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا...)"اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ مت سمجھو" سے آیت کے آخر تک"۔

اس طرح ان شرعی نصوص اور ان جیسے بہت سارے نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "شریعت" نے لفظ "جہاد" کو عام لغوی معنی سے خاص معنی کی طرف منتقل کیا، وہ ہے اللہ کی راہ میں قتال اور اس کے لوازمات، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ اس پر مستزاد وہ کلمات جو جہاد کے معنی کے فلک میں گردش کرتے ہیں جیسے حرب (جنگ)، غزوہ (لڑائی)، قتال وغیرہ، اسی وجہ سے شرعی مصادر نے پہ در پے جہاد کی تعریف اللہ کی راہ میں قتال سے کی، یہاں فقہ کی کتابوں سے کچھ نقل کیا جاتا ہے جو جہاد کے شرعی معنی اور اس سے متعلق احکامات کی وضاحت کرتے ہیں۔

۔حنفی مذہب کی کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں یوں بیان کیا گیا ہے: أما الجهاد في اللغة فعبارة عن بَذل الجهد وفي عرف الشرع يستعمل في بَذل الوُسع والطاقة بالقتال في سبيل الله عز وجل بالنفس والمال واللسان أو غير ذلك "جہاد لغت میں پوری کوشش کرنے سے عبارت ہے۔ شرعی معنی میں: اللہ عزوجل کی راہ میں قتال میں جان مال اور زبان وغیرہ کے ذریعے پوری کوشش اور پوری طاقت استعمال کرنا ہے"۔

۔مالکی فقہ کی کتاب منح الجليل میں بیان کیا گیا ہے: الجهاد: أي، قتال مسلم كافراً غير ذي عهدٍ، لإعلاء كلمة الله تعالى أو حُضُورُه له [أي: للقتال] أو دُخُوله أرضه [أي أرض الكافر] له [أي: للقتال] قاله ابن عرفة "جہاد: یعنی مسلمان کا اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے ایسے کافر کے خلاف قتال کرنا جو عہد والا نہ ہو یا حاضر (موجود) ہونا (یعنی قتال کے لیے) یا اس کے لیے (قتال کے لیے) زمین میں داخل ہونا (یعنی کافر کی زمین میں) ابن عرفہ نے یہی کہا ہے"۔

۔شوافع کی فقہ کی کتاب الإقناع میں ہے: أي: القتال في سبيل الله "یعنی: اللہ کی راہ میں قتال" اور شیرازی نے اپنی کتاب "المهذب" میں بیان کیا گیا ہے کہ: أن الجهاد هو القتال "جہاد قتال ہی ہے"۔

۔ حنبلی فقہ کی کتاب "المغنی" میں، ابن قدامہ نے (باب الجہاد) میں حرب اور کفار کے خلاف قتال کے علاوہ کسی اور معنی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی چاہے یہ فرض کفایہ ہو یا فرض عین یا دشمن سے مومنوں کی حفاظت کی صورت میں ہو یا سرحدوں اور محاذوں پر پہرا دینے کی صورت میں ہو، ان کا قول ہے: الرباط أصل الجهاد وفرعه "پہرا دینا جہاد کا اصل اور حصہ ہے"، اور ان کا یہ قول: إذا جاء العدو صار الجهاد عليهم فَرض عين... فإذا ثبت هذا فإنهم لا يخرجون إلا بإذن الأمير لأن أمر الحرب موكول إليه "جب دشمن آئے تو جہاد ان پر فرض عین بن جائے گا۔۔۔ جب یہ ثابت ہو جائے تو وہ امیر کی اجازت کے بغیر نہیں نکلیں گے کیونکہ جنگ کا معاملہ اس کے حوالے ہے"۔

یوں لفظ "جہاد" اس کے لغوی معنی سے شرعی معنی کی طرف منتقل ہو گیا، یہاں تک کہ یہ لفظ ایسا ہو گیا کہ اس لفظ کو بولتے ہی اس کا معنی قتال سمجھا جاتا ہے۔

امت کی اس شکست خوردہ حالت پر ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک جہاد کے اس لفظ کا مفہوم بہت بگڑ گیا ہے۔ وہ اپنے دشمن کے ساتھ اس کے بارے میں تبادلہ خیال بھی نہیں کرنا چاہتے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس مفہوم پر غلط اور جھوٹے معنوں کو چسپاں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ یہ اسی طرح صاف اور شفاف باقی نہ رہے جیسا کہ یہ شرعی نصوص میں آیا ہے اور جیسا کہ متعدد علماء نے اس کی تشریح کی ہے؛ بلکہ امت کی فکری اور مادی کمزوری نے اس کے شرعی معنی میں عجیب و غریب تفاسیر داخل کرنے کا راستہ فراہم کیا جس کی وجہ سے لوگ تقسیم ہو گئے اور افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ ان میں سے کچھ کی سوچ اس قدر گر گئی کہ انہوں نے جہاد کو صرف جان اور شناخت کا دفاع قرار دیا، یعنی یہ صرف دفاعی جنگ رہ گئی، اقدامی نہیں۔ ان میں سے کچھ کہنے لگے کہ جہاد نفس کے خلاف مجاہدہ اور خواہشات کے خلاف مزاحمت ہے، یہ ان کے نزدیک جہاد اکبر ہے جس کو جہاد اصغر پر فضیلت دی جاتی ہے جو کہ قتال ہے۔ ایک فریق انتہا پسندی اور تشدد کی راہ پر چل نکلا اور لوگوں کے درمیان ہونے والے قتال کی تمام اقسام کو اس شرعی جہاد کا روپ دیا جس کا ذکر کتاب و سنت میں ہے۔

جہاد کی جو نمایاں زمینی حقیقت اور مفہوم امت کے ذہن میں پیوست تھا، جس میں وہ اس عملی طریقے کو دیکھتی تھی جس کے مطابق اسلامی فکر امر واقعہ کی صورت میں وجود میں آتا ہے، موجودہ نسل کے ذہن میں وہ مشکوک اور غیر اہم فکر میں تبدیل ہو گئی۔ بہت کم لوگ ہیں جو اس حوالے تبادلہ خیال بھی کرتے ہوں، ان کے ذہنوں پر جمود اور نا امیدی چھائی ہوئی ہے اور دلوں پر دشمن کا خوف سوار ہے۔ اس لیے ان کے اندر دین کی حمیت اور کفار سے بغض مر گیا ہے، اس کی جگہ جاہلیت کی حمیت، اور نسلی تعصب وطنیت نے لے لی ہے اور وہ ایک دوسرے سے ہی بغض رکھنے لگے ہیں!

چونکہ یہ غلط فہمیاں مسلمانوں میں عام ہو چکی ہیں اور جہاد کی وہ صاف شفاف اور ممتاز فکر اکثریت کے ذہنوں سے اوجھل ہو گئی ان کے اندر یہ جذبہ مر گیا ہے اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ اس مختصر فکری بحث کو اپنے نوجوانوں کے سامنے پیش کروں، جس کا مقصد شبہات کا ازالہ، الزامات کی تردید اور ہمتوں کو مہمیز دینا ہے۔

تاہم جہاد کی فکر کو پیش کرتے ہوئے قتال کے مختلف حالات کو بیان کرتے ہوئے، ہر ایک کو اس کی مخصوص جگہ رکھتے ہوئے؛ اختصار پر اعتماد کرنے کو اختیار کیا۔ جیسا کہ ذکر کیا کہ مقصد سننے والوں یا پڑھنے والوں کی مشقت کو طول دینا نہیں، نہ ہی فقہ و علم و فکر کی کتب میں جو کچھ آیا ہے اس میں وقت صرف کرنا ہے۔ صحیح اور غلط کیا ہے اس کی وضاحت کرنے کے لیے ہمیں مضبوط شواہد اور تفصیلی وضاحتوں میں سے جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس کا حوالہ دینا چاہیے، جن میں کوئی شک یا ابہام نہ ہو۔

سب سے پہلے ہم اس مسئلے کے بارے میں بات کریں گے جو آج کل لوگوں کے درمیان زبان زد عام ہے۔

آج کل لوگوں کی اکثریت جہاد کو دو قسموں میں تقسیم کرتی ہے:

ایک قسم جس کا تعلق جہاد اکبر سے ہے جو کہ نفس، خواہشات اور شیطان وغیرہ کے خلاف مجاہدہ ہے۔

دوسری قسم جس کا تعلق جہاد اصغر سے ہے، جو کہ کفار کے خلاف مجاہدہ اوران کے خلاف قتال ہے۔

اس کے لیے وہ کئی دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن میں سے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿**يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ**﴾ **"اے ایمان والوں جہاد کروان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں"**(سورۃ توبہ: 123)۔اسی طرح اس ارشاد سے: ﴿**وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا**﴾ **"اور اس قرآن کے ذریعے ان سے بڑا جہاد کرو"**(سورۃ الفرقان: 52)۔اور اس فرمان سے: ﴿**وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**﴾ **"جو لوگ ہماری راہ پر چلنے کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنی راہ دکھادیں گے"**(سورۃ العنکبوت: 69)۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عدنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر **"ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں"**۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: بڑا جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: **جهاد النفس "نفس کے خلاف جہاد"**۔ایک اور روایت میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: **قدمْتُم خيرَ مقدَمٍ وقدمْتُم من الجهادِ الأصغرِ إلى الجهادِ الأكبرِ مجاهدةُ العبدِ هواه "تم بہترین طریقے سے آئے ہو اور تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو جو کہ بندے کا اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ ہے"۔**

میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ یہاں جہاد کا مطلب نفس کے خلاف مجاہدہ کرنا ہے اور نفس کے علاوہ بھی، جیسے شیطان اور فسادیوں سے جہاد کرنا۔ بہر حال ایسا جہاد نہ تو کفار کے خلاف جہاد سے افضل ہے اور نہ اللہ عزوجل کے نزدیک کفار کے خلاف جہاد سے بڑھ کر ہے، نہ کوئی اس کو کالعدم کر سکتا ہے نہ اس کو ساقط، بلکہ کفار کے خلاف جہاد قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ جیسا کہ نفس کے خلاف مجاہدہ بھی قیامت تک جاری رہے گا۔

مگر یہ سمجھنا لازمی ہے کہ نفس کے خلاف مجاہدہ کے دلائل کفار کے خلاف جہاد کے دلائل سے الگ ہیں، ان میں سے ہر ایک کی حالت بھی دوسرے سے مختلف ہے، نفس کے خلاف مجاہدہ کفار کے خلاف جہاد سے الگ چیز ہے ان

دونوں میں اختلاط جائز نہیں، یا ایک سے دوسرے کے لیے استدلال کریں یا ایک کو دوسرے سے تبدیل کریں، ہر ایک اپنی اپنی جگہ ناگزیر ہے، ہر ایک اپنی جگہ فرض ہے۔

اس بنا پر یہ کہنا کہ نفس کے خلاف مجاہدہ اللہ کے نزدیک کفار کے خلاف جہاد سے افضل اور بڑا ہے، بالکل غلط ہے ۔یہ اللہ کی راہ میں جہاد کے مفہوم کے مخالف خطرناک قول ہے، یہ جہاد کو کالعدم قرار دینا ہے، یہ کئی وجوہات کی بنا پر مردود ہے:

پہلی وجہ: جہاد کے دو معانی ہیں ایک لغوی معنی اور دوسرا شرعی معنی، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ نفس کے خلاف مجاہدہ شرعی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ہے۔

دوسری وجہ: وہ دلائل جن سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ نفس کے خلاف مجاہدہ کفار کے خلاف جہاد سے افضل ہے وہ اس مسئلے کے دلائل بننے کے قابل ہی نہیں، یہ خود ان دلائل کی حقیقت کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ جس حدیث سے وہ استدلال کرتے ہیں وہ ان کے دعوے کی دلیل ہونے کے قابل ہی نہیں کہ جہاد نفس کے خلاف مجاہدہ کے سوا کچھ نہیں یا یہ کہ یہ اللہ کے نزدیک کفار کے خلاف جہاد سے افضل یا بڑا ہے۔اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی: یہ حدیث روایت کے لحاظ سے رد ہے۔(مردود رواية)،

دوسری: یہ حدیث معنی کے لحاظ سے رد ہے۔(مردود دراية)

جہاں تک اس حدیث کا روایت کے لحاظ سے رد (مردود رواية) ہونے کی وجہ ہے تو وہ اس لیے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔

جبکہ اس حدیث کا معنی کے لحاظ سے رد (مردود درایۃ) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کو فرض اور سب سے عظیم عمل قرار دینے والے قطعی نصوص سے متصادم ہے۔ یہ نصوص تین قسم کے ہیں:

پہلی قسم: وہ آیات جو اللہ کی راہ میں جہاد کے فضائل کی بات کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ یہی سب سے افضل عمل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ "مومنوں میں سے بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والے اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں، اللہ نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے" (سورۃ النساء: 95)۔ اور اللہ کا یہ فرمان: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ "جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا، اللہ کے نزدیک ان کا درجہ بڑا ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں" (سورۃ توبہ: 20)۔

دوسری قسم: وہ آیات جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مدح سرائی کرتی ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ "بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں، جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں" (سورۃ توبہ: 111)۔ اور یہ ارشاد: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ "بے شک مومن تو وہ ہیں

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر منہ نہیں موڑا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں" (سورۃ حجرات:15)۔

تیسری قسم: وہ آیات جو جہاد سے پیچھے رہنے والے، جہاد ترک کرنے والے اور جہاد سے آنکھیں چرانے والے کی مذمت کرتی ہیں اور وعید سناتی ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (38) اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ (39)﴾ "اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو، دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابلے تھوڑے ہیں۔ اگر تم نہیں نکلے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے" (سورۃ توبہ:38-39)، اور فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (15) وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (16)﴾ "اے ایمان والو جب جنگ کے دوران کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو ان کو پیٹھ مت دکھانا، جو اس دن جنگی چال یا اپنے گروہ سے ملنے کے سوا ان کو پیٹھ دکھائے تو وہ اللہ کا غضب مول لے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے" (سورۃ الانفال:15-16)۔

مزید براں رسول اللہ ﷺ کے اقوال ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے عظیم عمل اللہ کی راہ میں جہاد اور کفار کے خلاف قتال ہے۔۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لغدوة أو روحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها» "اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے" (بخاری)۔ اور فرمایا: «رباط يوم في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها» "اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ دنیا اور اس میں سب کچھ سے بہتر ہے" (ترمذی)۔ اور فرمایا: «إن مقام أحدكم في سبيل الله أفضل من صلاته في بيته سبعين عاماً، ألا تحبون أن يغفر الله لكم ويدخلكم الجنة، اغزوا في سبيل الله» "تم میں سے کسی کا اللہ کی راہ میں قیام اپنے گھر میں ستر سال عبادت سے افضل ہے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے اور تمہیں جنت میں داخل کرے، اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو"، وغیرہ۔

یوں نصوص میں جو کچھ ہے وہ اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد ہی سب سے عظیم عمل ہے، اسی کا درجہ سب سے بلند ہے، تمام قرائن اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ تعریف، مذمت، ثواب، سزا، تمام قرائن اس بات پر ہی دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد نفس کے خلاف مجاہدہ سے زیادہ عظیم اور زیادہ بڑا ہے۔ نفس کے خلاف مجاہدہ کا کفار کے خلاف جہاد سے افضل ہونے والی حدیث میں درایۃ قطعی نصوص سے تعارض ہے، اسی لیے اس سے استدلال باطل ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس بات کا پرچار کیا جاتا ہے کہ اسلام میں جہاد اقدامی جنگ نہی بلکہ دفاعی جنگ ہے، جس کے لیے اللہ تعالی کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ "اور اگر وہ امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاو" (سورۃ الانفال: 61)۔ اسی طرح اس قول سے: ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ "اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو، یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا" (سورۃ البقرہ: 190)۔ اور اس ارشاد سے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ **"ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن کو قتل کیا جاتا ہے ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے"** (سورۃ الحج: 39)۔

جہاد کے خلاف اس طرح کے مؤقف غلط، رد شدہ اور غلط دلائل پر مبنی ہیں:

پہلا سبب: جہاد کے دلائل عام اور مطلق دلائل ہیں جس میں دفاعی جنگ اور اقدامی جنگ دونوں شامل ہیں، یعنی دشمن کے خلاف قتال شروع کرنا جس میں دفاعی جنگ وغیرہ بھی شامل ہے۔ اس کے عام اور مطلق ہونے کی وجہ سے اس میں دشمن کے ساتھ ہر قسم کا قتال شامل ہے۔ اس کی تخصیص یا تقید کر کے اسے اقدامی اور دفاعی، دونوں کی بجائے صرف دفاعی جنگ کے ساتھ مخصوص کرنے کے لیے ایسی شرعی نص کی ضرورت ہے جو اس کی تخصیص یا تقید کرے، تاہم ایسی کوئی نص موجود نہیں، نہ ہی قرآن میں اور نہ سنت میں جو اس کی تخصیص یا تقید کرتی ہو، اس لیے جہاد عام ہی رہے گا اور تمام قسم کی جنگیں اس میں شامل ہیں، دشمن کے خلاف ہر قسم کا قتال اس میں شامل ہو گا۔

اس لیے اس آیت سے ان کا استدلال جو کہتی ہے: ﴿ **وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** ﴾ **"اگر وہ امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ"** (سورۃ الانفال: 61)، باطل استدلال ہے۔ اسی طرح دوسری آیات، یہ سورۃ توبہ کی آیات کے عموم کی تخصیص کی صلاحیت نہیں رکھتی، نہ ہی ان کے مطلق کو مقید کر سکتی ہیں کیونکہ جہاد کے بارے میں نازل ہونے والی وہی آخری آیات ہیں، پہلے نازل ہونے والی بعد میں نازل ہونے والی کی تخصیص یا تقید نہیں کر سکتی۔ تخصیص یا تقید کے لیے مطلق اور عام نص کا بعد میں یا ساتھ نازل ہونا لازمی ہے تاکہ ایک حالت دوسری حالت سے مختلف ہو۔ جبکہ یہ قول ﴿ **وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** ﴾ **"اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں"** (الانفال: 61)، حالتِ صلح کے بارے میں ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ قول: ﴿ **قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ** ﴾ **"ایمان نہ لانے والوں سے قتال کرو"** (التوبہ: 29)، حالت جنگ اور قتال کے بارے میں ہے۔ حالتِ صلح اور حالتِ جنگ دو الگ حالات ہیں، ان میں سے ایک حالت دوسری کو منسوخ نہیں کرتی۔

دوسرا سبب: اس سب پر مستزاد یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور افعال قطعی طور پر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جہاد اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے اور اس کی دعوت کو پھیلانے کے لیے کفار کے خلاف قتال شروع کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله»** "مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں زکواۃ ادا کریں، اگر وہ ایسا کریں گے تو اپنے خون اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ رکھیں گے سوائے اس کے جو اس میں سے حق ہے اور جس کا حساب تو اللہ پر ہے" (بخاری)۔ آپ ﷺ جب کسی فوج یا کسی دستے کے لیے امیر مقرر فرماتے تو تنہائی میں اس کو اللہ سے ڈرنے اور اپنے ساتھی مسلمانوں کی خیر خواہی کی وصیت کرتے پھر فرماتے: **«اغْزُوا بسمِ اللَّهِ قَاتَلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوَا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتَهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يُجْرَى عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يُجْرَى عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللَّهِ الَّذِي يُجْرَى عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ هم أَبَوا فعلهم الْجِزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ»** "

اللہ کا نام لے کر حملہ کرو جو اللہ کا انکار کرے ان سے قتال کرو، آگے بڑھو اور مال غنیمت کے معاملے میں خیانت نہ کرو، دھوکہ مت دو، کسی کو مسخ (اعضا کاٹنا) مت کرو، یا کسی بچے کو قتل نہ کرو، جب اپنے دشمنوں میں سے مشرکین کا سامنا ہو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دو، ان میں سے جس کو بھی وہ مان جائیں تو وہ ان سے قبول کرو اور حملے سے باز رہو، ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ مان جائیں تو قبول کرو اور ان پر حملے سے باز رہو پھر ان کو اپنے دار سے دار المہاجرین منتقل

ہونے کا کہو اور انہیں بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جیسے مہاجرین کے، لیکن اگر وہ انکار کریں تو انھیں بتاؤ کہ پھر وہ عرب مسلمانوں جیسے ہوں گے جن پر اللہ کا حکم ویسے ہی لاگو ہوگا جیسے ان مومنوں پر لیکن مالِ غنیمت اور مالِ فئی میں ان کے لیے کچھ نہیں سوائے یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ مان جائیں تو ان سے قبول کر لو اور ان پر حملے سے باز رہو لیکن اگر وہ انکار کریں تو اللہ کی مدد مانگتے ہوئے ان سے قتال کرو" (مسلم)۔

جہاں تک آپ ﷺ کے افعال کا تعلق ہے تو وہ واضح اعمال ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں، آپ ﷺ کا قریش کے قافلے کو دبوچنے کے لیے بدر کے لیے نکلنا قتال کے لیے نکلنا تھا۔ یہ قریش کی جانب سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے قتال یا مدینہ پر حملے کی ابتدا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے قتال کی ابتدا تھی، یہ کوئی دفاعی جنگ نہیں تھی۔ حنین کے مقام پر غزوہ ہوازن، طائف کا محاصرہ، موتہ کے مقام پر رومیوں کے خلاف قتال، تبوک کا معرکہ سب اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ جہاد کو دفاعی جنگ کہنا مردود ہے بلکہ جہاد کفار کے خلاف قتال کی ابتدا ہے۔

تیسرا سبب: صحابہؓ کا اس بات پر اجماع کہ جہاد اسلام کو پھیلانے کے لیے کفار سے قتال ہے، یا قتال کی ابتدا کرنا ہے، اس کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے عہد میں ان کے اجماع سے عراق، فارس، مصر، شمالی افریقہ فتح ہوئے۔

یوں ہم نے جو دلائل کا ذکر کیا وہ ان لوگوں کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جہاد دفاعی جنگ ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض شکست خوردہ لوگ جب جہاد کے مسئلے پر دشمن سے بحث کرتے ہیں تو اسلام پر حملے، خاص طور پر جہاد کی شرعی حیثیت کے حوالے سے ان کے اعتراضات کا جواب نہیں دے پاتے، کیونکہ ان حملہ آوروں کے نزدیک، جن میں مستشرقین بھی ہیں، جہاد ایک وحشیانہ اور بربریت اور عداوت پر مبنی عمل ہے

جس کا ہدف کمزور اور پر امن قومیں ہیں جن پر قبضہ کر کے تلوار کے زور پر زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا مقصود ہے!!

جی ہاں مسلمان اس مسئلے میں تشویش کا شکار ہیں اور اس حوالے سے دشمن کے ساتھ بحث کرنے سے کتراتے ہیں اور جب جواب دینے کا قصد کر بھی لیں تو اس طرح ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں جو اس فکر کی اصل کے منافی اور متضاد ہے، کیونکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جہاد کا حکم صرف ذات اور شناخت کی حفاظت کے لیے دیا ہے، جس کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

رہی بات منہ موڑنے والے کفار اور ان کی راہ پر چلنے والوں کی جانب سے اس تہمت کے رد کی تو ہم کہتے ہیں کہ کفار اور ان کی آئیڈیالوجی کے خلاف قتال کے لیے تلوار اٹھانے کا مطلب ہر گز ان کو طاقت کے زور پر اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں ہے، جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اس زبردستی سے منع کیا ہے اور اس کی اجازت نہیں دی، اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ **"دین میں زبردستی نہیں ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکے ہیں جو طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے"** (سورۃ البقرۃ: 256)۔ یہ نص اس بات کو واضح کرتی ہے کہ کفار کے خلاف تلوار اٹھانا ان کو طاقت کے زور پر زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ زمین کو ان کے کفریہ نظام حکومتوں اور لوگوں پر ان کے جبر واستبداد سے پاک کرنے کے لیے تھا۔ لہذا تلوار اٹھانا تطبیق اور تنفیذ کے لیے تھا، اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ اللہ کی شریعت کے ذریعے لوگوں پر حکمرانی اور ان کو انسانوں کی حکمرانی سے آزاد کرنے کے لیے تھا۔ اس کے بعد لوگوں کو کفر اور ایمان میں سے ایک کو اختیار کرنے کی آزادی تھی۔

یہاں میں زبردستی اور مجبور کرنے کے الزام کے جواب میں زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہوں گا کیونکہ یہ حقیقت سے متضاد الزام ہے جس کو زیادہ اہمیت یا توجہ دینا ضروری نہیں۔ مزید یہ کہ ان احمقوں کے الزامات اور جھوٹے پروپگیڈہ کا جواب دینے کے لیے یہ کافی ہے کہ ہم تاریخ کی صاف ستھری کتابوں میں موجود حقائق اور شہادتوں سے ہی ان کا منہ بند کر سکتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ریاست خلافت میں رہائش پزیر یہود و نصاری کے حالات تھے جہاں وہ اسلام کے سائے تلے زندگی گزارتے رہے ہیں جبکہ وہ اہلِ ذمہ تھے، وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان پر ان کے دین کی وجہ سے کبھی ظلم نہیں کیا گیا، ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ اس کو بزورِ قوت اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، بلکہ ان کی اکثریت خلافت کے زمانے سے آج تک اپنے آباواجداد کے پرانے دین پر ہیں۔ تو پھر کہاں ہے زبردستی کی تلوار کے زور پر اپنا دین اور اپنے عقائد سے دستبردار ہونے پر مجبور کرنا؟ بلکہ جیسا کہ ہم نے عیسائی دنیا سے سنا ہے، کہاں ہیں وہ تفتیشی عدالتیں جو کہ پوپ کی طرف سے قائم کی گئیں تھیں اور جن میں آرتھوڈوکس مذہب کے خلاف عقیدہ یا رائے رکھنے والوں کو سزائیں دی جاتی تھیں؟

اس لیے ہم اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہم اس شش و پنج کا کوئی منطقی سبب نہیں دیکھتے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلام اس کا بڑا واضح اعلان کرتا ہے اور اس کو لوگوں سے نہیں چھپاتا کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: **﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ "اے نبی ﷺ! مومنوں کو قتال پر ابھاریئے"** (سورۃ الانفال: 65)۔

پھر یہ شش و پنج کیوں جبکہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی بالکل کھل کر استعماریت کی بات کرتی ہے اور اس کو اپنی آئیڈیالوجی کو پھیلانے کا مثبت طریقہ قرار دیتی ہے۔ کافر استعماری ممالک کی جانب سے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا جارہا ہے اس کا مشاہدہ اس کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ عالم اسلام کے عوام پر کس طرح حملے اور بمباری کی جارہی ہے، جیسے لیبیا، سوڈان، عراق، افغانستان، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا وغیرہ۔ اسی طرح اشتراکی آئیڈیالوجی جس میں کمیونزم بھی ہے جو کہ انقلاب برپا کرنے کے لیے عدم استحکام اور خانہ جنگیوں کو اپنی آئیڈیالوجی کو پھیلانے اور اقوام عالم میں افراتفری کو تیز کر کے تبدیلی لانے کا مثبت طریقہ قرار دیتی ہے۔ ان دونوں کے عالمبردار اعلانیہ یہ کہنے سے کتراتے نہیں اور ساتھ

انسانیت کی خدمت کا دعوی بھی کرتے ہیں، جب کہ ہم بطور مسلمان اسلام کو اس دائرے سے مستثنی قرار دیتے ہوئے اس کو چھوٹے چھوٹے مسلم ممالک میں بند کر رہے ہیں اور دنیا میں اس کو پھیلانے کی جد وجہد نہیں کر رہے کیونکہ اس سے اغیار پریشان ہونگے!

اس پسپائی اور بزدلی کا کوئی جواز ہمیں نظر نہیں آتا، سوائے دعوت کی ذمہ داری اور اللہ تعالی کے کلمہ کو بلند کرنے سے پیچھے رہنا اور انسانیت کو غلامی سے نجات دلانے سے دستبرداری، جیسا کہ ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا: **إن الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام، فأرسلنا بدينه إلى خلقه لندعوهم إليه، فمَن قَبلَ ذلك قبلنا منه ورجعنا عنه ومن أبى قاتلناه أبداً حتى نقضي إلى موعود الله** "اللہ تعالی نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم تم لوگوں کو بندوں کی بندگی سے اللہ کی بندگی میں پہنچائیں، دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لائیں، ہمیں اس کے دین کے ساتھ اس کی مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کی طرف بلائیں، جو اس کو قبول کریں، ہم بھی اس کی طرف سے قبول کریں گے اور ہم اس کو چھوڑ دیں گے، لیکن جو اس کا انکار کرے گا، ہم ان سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کے وعدے کو پورا نہ کر دیں"۔

ہم ان بزدل اور بے ہمت لوگوں سے کیا کہیں جو برداشت اور کافر دشمن کے ساتھ گفت وشنید کے احمقانہ دعووں کے ذریعے اس امت کو، جس کی تربیت اسلام کی تعلیمات اور ہدایت پر ہوئی ہے، رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ موقف بذات خود منافقین کا موقف تھا جو جہاد سے دور رہنا چاہتے تھے، جیسے کے اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿**يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ**﴾ "اور مومن کہتے ہیں کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں ہوتی پھر جب کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے جس میں قتال کا ذکر ہو تو تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو جن کے دلوں میں مرض ہے وہ تمہاری طرف ایسا دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا

ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو" (سورۃ محمد: 20)۔ یہ لوگ کفار کو راضی کرنے کے بدلے اللہ کی نارضگی مول لینا چاہتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ "یہ اس لیے کہ انہوں اس کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرتا ہے اور اللہ کی رضا کو پسند نہیں کیا اس لیے اللہ نے ان کے اعمال کو غارت کر دیا" (سورۃ محمد: 28)۔

ذلیل حکمران اور ان کے آلہ کار کفار کی اس قدر چاپلوسی کرنے لگے کہ ان کو اپنا دینی بھائی تک کہہ ڈالا۔ کاش یہ بات خائن حکمرانوں اور ان کے پیروکاروں تک محدود ہوتی اور اس سے آگے نہ بڑھتی، مگر افسوس اسلام کے لبادے میں بعض مشکوک تحریکیں اس خبیث سازش میں ان ہی کی پیروی کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر دیارِ غیر میں موجود مسلمانوں کو وہاں کافر مغرب ان تحریکوں کے ذریعے، جو ان علاقوں میں سرگرم ہیں، قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس بات پر قائل کرنے کے لیے ادھر ادھر ملاقاتیں، کانفرنسیں اور پریزنٹیشن دی جاتی ہیں کہ وہ کفار کی مخالف سوچ اپنے ذہنوں سے نکال دیں اور انہیں قبول کرنے کے لیے ذلت آمیز بات چیت کا راستہ اپنائیں۔ ہمیں سوٹزرلینڈ کے مسلمانوں کی تنظیم کی جانب سے شائع کیے جانے والے میگزین کا علم ہوا ہے کہ جس کے کرتے دھرتے یہ دعوی کرتے ہیں کہ ماضی میں مسلمانوں نے کفار کے ساتھ جو کیا وہ صرف ایک افسوسناک تصادم کے سوا کچھ نہیں تھا۔ مقالہ لکھنے والے ڈاکٹر عزالدین ابراھیم اپنے مقالے میں جس کا عنوان ہے (مسلم عیسائی بات چیت کا اسلامی نقطہ نظر) اس میں کچھ یوں لکھتا ہے، "۔۔۔ مسلمانوں نے اس بات چیت کو زبانی اور تحریری طور پر جاری رکھا ہوا ہے، سوائے دو مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان بدقسمت تصادم کے دور کے علاوہ شاید ہی اس پر کوئی بات ہو۔۔۔" جس کا معنی یہ ہے کہ کم ہمت اپنے آپ کو ان سلف صالحین سے زیادہ مہذب سمجھتے ہیں جنہوں نے جہاد کو کفار کے خلاف اقدامی قتال سمجھا۔ وہ اس منفی منطق کے ذریعے اللہ تعالی کے اس فرمان کو معطل کرنا چاہتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ "اے نبی ﷺ کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کرو ان سے سختی کرو اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، کیا ہی برا انجام ہے" (سورۃ توبہ: 73)۔ چہ جائیکہ اللہ سبحانہ وتعالی نے محمد ﷺ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث

کیا: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ(105) اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ(106) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ(107)﴾ "ہم نے یاددہانی کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہونگے۔ بے شک اس میں اعلان ہے عبادت گزار قوم کے لیے۔ اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے" (سورۃ الانبیاء:-105 107)، یعنی اللہ سبحانہ وتعالی نے نبی ﷺ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا تا کہ آپ ﷺ ان کو جہالت کی تاریکیوں سے اور طاغوت کے تسلط سے آزاد کریں۔ اور یہ وہی جہاد ہے کہ جس کے ذریعے تمام مجاہدین نے زمین کے مختلف حکمرانوں کے سامنے اللہ تعالی کے کلمہ کو بیان کیا کہ جب وہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزاد کرانے کے لیے اس جہاد کے ذریعے ہی آگے بڑھے۔ کیا بشریت کی اس ہدایت کی رحمت کے بعد کوئی اس کے مساوی رحمت ہے؟ تو پھر یہ جاہل اس رحمت کو کیوں معطل کرنا چاہتے ہیں؟

اس کے بعد اے مسلمانو، جان لو کہ جہاد قیامت کے وقت تک جاری رہے گا۔ کسی عادل کا عدل اور کسی جابر کا جبر اس کو معطل نہیں کر سکتا۔ اگر اس دور میں ہم نے پسپائی اختیار کی تو اللہ ہمارے بعد ایسے جواں مرد بھیجنے پر قادر ہے جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے اور جن سے اللہ محبت کرے گا جو اللہ کے ساتھ کیے گئے اپنے وعدوں کو پورا کریں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلیں گے، اللہ کے اذن سے دوبارہ اسلام کی افواج روم، فرانس اور اس کے بعد کفر کے سرغنہ برطانیہ کی طرف پیش قدمی کریں گی اور اللہ کے اذن سے وائٹ ہاوس پہنچیں گی، جیسا کہ اس سے پہلے سعد بن ابی وقاص ؓ کسری کے محل پہنچے تھے، ﴿اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ "اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ ایسی قوم لائے گا جو اللہ سے محبت کرے گی اور اللہ ان سے محبت کرے گا، جو مومنوں کے لیے عاجز اور کفار پر بالادست ہونگے، اللہ کی راہ میں جہاد

کریں گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسیع علم رکھنے والا ہے" (سورۃ المائدہ: 54)۔

فہرست

بیسویں صدی میں مشرق وسطیٰ میں بین الاقوامی دشمنی

عبداللہ علی، پاکستان

مشرقِ وسطیٰ ایک جغرافیائی سیاسی اصطلاح ہے جو اکثر متعدد خطوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جن میں لیونٹ، جزیرہ نما عرب، اناطولیہ، مصر، ایران اور عراق شامل ہیں۔ کچھ تعریفوں کے مطابق شمالی افریقہ میں تیونس سے لے کر مراکش تک کے خطے بھی اس میں شامل ہیں۔ مشرقِ وسطی کی اصطلاح انگریزوں نے اس علاقے کیلئے استعمال کی تھی جو مشرق قریب یعنی وہ علاقے جو یورپ کے ساتھ مشرق میں واقع ہیں اور مشرق بعید، جن میں چین، جاپان اور برِ صغیر پاک وہند شامل ہیں، ان دونوں کے درمیان واقع ہیں۔

مشرق وسطیٰ کی جیو اسٹریٹجک اور اقتصادی اہمیت پر جتنی بات کی جائے کم ہے۔ اس خطے سے یا تو بڑی طاقتیں ابھری ہیں مثلاً سلطنت فارس یا خلافت، یا پھر بڑی طاقتیں اس علاقے پر کنٹرول کے لیے آپس میں لڑتی رہی ہیں۔ اس کی بے شمار وجوہات ہیں۔ مثال کے طور پر، چونکہ زیادہ تر بڑے زمینی اور سمندری تجارتی راستے مشرق وسطیٰ سے گزرتے ہیں، اس لیے اس خطے کو کنٹرول کرنے کا مطلب عالمی معیشت کو کنٹرول کرنا ہے۔ حال ہی میں مصر میں سویز کنال کی ناکہ بندی نے بین الاقوامی تجارت کو روک دیا جس کی وجہ سے عالمی معیشت کو ہفتہ وار 10 ارب ڈالر تک کا نقصان پہنچا۔ پچھلی صدی میں مشرق وسطیٰ میں تیل اور گیس جیسے قدرتی وسائل کی دریافت نے خطے کی قدر میں کافی اضافہ کیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں مشرق وسطیٰ کا زیادہ تر علاقہ خلافت عثمانیہ کے کنٹرول میں تھا، لیکن کچھ علاقوں پر یہ کنٹرول صرف برائے نام تھا جیسے کہ مصر پر۔ تاہم، اس وقت تک، خلافت واضح طور پر زوال پذیر ہو چکی تھی اور اسے مسلسل ''یورپ کا بیمار آدمی'' کہا جاتا تھا۔ پچھلی دو صدیوں سے، یورپی طاقتیں مشرقی سوال کا جواب تلاش کر رہی تھیں،

جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ خلافت کے علاقوں کو کس طرح آپس میں تقسیم کیا جائے۔ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر یورپ میں صرف دو بڑی طاقتیں تھیں: برطانیہ اور فرانس۔ جرمنی جنگ میں ہار گیا تھا اور 1917 میں لینن کے بالشویک انقلاب کے نتیجے میں روس اندرونی مسائل میں گھرا ہوا تھا۔

اس لیے فرانس اور برطانیہ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں خلافت کے زیرِ سایہ مشرق وسطیٰ کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر ایک اپنے لیے یہ خطہ چاہتا تھا، اور اس لیے وہ اکثر آپس میں لڑتے تھے، کبھی براہ راست لیکن اکثر مختلف علاقوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ہی لڑتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام تک برطانیہ کافی حد تک فرانسیسیوں کو مشرق وسطیٰ سے مکمل طور پر نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تاہم، ان کی فتح مختصر رہی کیونکہ ونسٹن چرچل کی امید کے برعکس امریکہ نے گوشہ نشینی میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ پچھلی تمام بڑی طاقتوں کی طرح، امریکہ بھی مشرق وسطیٰ پر نظریں جمانے لگا، لیکن اس خطے پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اسے پہلے انگریزوں کو برطرف کرنے کی ضرورت تھی۔

آج پوری دنیا میں، اور خاص طور پر امت مسلمہ میں یہ مشہور ہے کہ مسلمان جس پریشانی میں مبتلا ہیں اس کی وجہ خود مسلمان ہیں۔ جبکہ سچ تو یہ ہے کہ مسلمان بنیادی طور پر اپنے کمزور ترین مقام پر اس لئے ہیں کیونکہ انہوں نے اسلام کو بطور نظریہ حیات اور مکمل ضابطہ حیات کے طور پر چھوڑ دیا ہے۔ اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ صورتحال نہ تو قدرتی طور پر ابھری اور نہ یہ ناگزیر تھی اور نہ ہی یہ صرف مسلمانوں کے فکری زوال کا نتیجہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ فکری زوال کا مطلب یہ ضرور تھا کہ مسلمان بالآخر عالمی طاقت نہیں رہیں گے جیسا کہ ایک ہزار سال سے زائد عرصے سے تھے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ مسلمانوں کی صورتحال اتنی بری ہو جائے گی جتنی آج کل ہے۔ بلکہ یہ صورت حال صرف مغربی استعماری قوتوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے اپنے مفادات کے لئے باقی پوری دنیا کو تباہ کر دیا ہے اور ایسا کرنے کے لئے وہ کبھی براہ راست آپس میں لڑتے تھے اور کبھی اپنے ایجنٹوں کے ذریعے

دست و گریبان ہوتے تھے۔اس مضمون میں مشرق وسطیٰ کے خطے کی مثال کے ذریعے اس اس چیز کو واضح کیا جائے گا۔

مشرق وسطیٰ کی حالیہ سیاست بنیادی طور پر پچھلی صدی کے واقعات سے تشکیل پاتی ہے، جس میں برطانیہ، فرانس اور امریکہ نے ان خطوں کو چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے ایجنٹوں کو حکمران بنا لیا، تاکہ اپنے مفادات کو آگے بڑھایا جاسکے۔ آج بھی مشرق وسطی میں تنازعات کی بنیادی وجہ ان قوتوں کے ایجنٹوں کے درمیان تنازع ہے جن کا مقصد اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنا ہے۔ مشرقِ وسطی آج جن سیاسی تنازعات کا شکار ہے ان کو سمجھنے کے لئے لیے پچھلی صدی کے مشرق وسطیٰ میں بین الاقوامی تنازعات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔اس مضمون میں سب سے پہلے بیسویں صدی کے پہلے نصف میں اینگلو-فرانسیسی دشمنی پر اور پھر دوسرے نصف میں اینگلوامریکی دشمنی پر بات کی جائے گی۔

مشرق وسطیٰ میں اینگلو-فرانسیسی دشمنی

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں برطانوی اور فرانسیسیوں نے مشرق وسطیٰ پر حکومت کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ابتدائی نشانیوں میں سے ایک معاہدہ سائکس پیکاٹ تھا۔1916 میں اس معاہدے کی توثیق کی گئی اور اس کا نام برطانوی سفارتکار مارک سائکس اور فرانسیسی سفارت کار فرانسوا جارج پیکاٹ کے نام پر رکھا گیا۔اس معاہدے کے تحت برطانیہ اور فرانس نے اتفاق کیا کہ خلافت عثمانیہ کی متوقع شکست کے بعد وہ مشرق کو آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ شام کا شمالی حصہ جس میں لبنان، جنوب مشرقی ترکی اور شمالی عراق شامل ہیں ان کو فرانس کے زیر اثر رہنا تھا جبکہ مشرق وسطیٰ کا جنوبی حصہ جس میں اردن اور جنوبی عراق کے علاقے شامل تھے ان کو برطانیہ کے زیر اثر ہونا تھا۔ چونکہ کوئی بھی فریق فلسطین کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ ایک غیر جانبدار علاقہ رہے گا، کوئی بھی طاقت اس پر

حاوی نہیں ہو گی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ معاہدے میں یہ نہیں کہا گیا کہ فرانس اور برطانیہ خود حکمرانی کریں گے بلکہ یہ کہ وہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے حکمرانی کریں گے۔

معاہدے سائکس پیکاٹ کو باقی دنیا سے خفیہ رکھا گیا تھا، سوائے روس کے، جس سے پہلے سے منظوری لے لی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے پہلے مکہ کے شریف حسین کو لالچ دی اور تحریری یقین دہانی کرائی کہ اگر اس نے خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت کی تو وہ اس کے تحت عربوں کی آزادی کی حمایت کریں گے۔ سائکس پیکاٹ معاہدے نے دوسری طرف عربوں کی آزادی کے تصور کو مسترد کرتے ہوئے خطے کو برطانویوں اور فرانسیسیوں میں تقسیم کر دیا۔

انگریز اور بالخصوص فرانسیسی اس بات پر خوش نہیں تھے کہ فلسطین کو بین الاقوامی کنٹرول میں رکھا جائے۔ فرانسیسیوں نے محسوس کیا کہ یہ مستقبل میں خطے میں عدم استحکام کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسری طرف انگریز اپنے سامراجی عزائم کے لیے فلسطین پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ مثال کے طور پر مارک سائکس نے بصرہ سے حیفہ (فلسطین کے شمال میں ایک بندرگاہی شہر) کے راستے سویز کنال تک ریلوے کی تعمیر تجویز کی۔ تاہم ایک معاہدے تک پہنچنے کے مفاد میں، برطانیہ اور فرانس نے بالآخر سمجھوتہ کر لیا۔

تاہم ایک بار جب معاہدہ طے پا گیا تو انگریزوں نے ایسے طریقے تلاش کرنا شروع کر دیے جن سے وہ فلسطین کو اپنے کنٹرول میں کر سکیں۔ اس دوران ایک یہودی صیہونی وزیر ہربرٹ سیموئل نے اسرائیل کا مطالبہ کیا، ایک ایسا ملک جہاں یہودی پناہ حاصل کر سکتے ہوں کیونکہ وہ دوسری جگہوں پر ظلم و ستم کا سامنا کر رہے تھے، جیسے کہ مشرقی یورپ اور روس میں۔ عین اسی وقت، امریکہ کے صدر ووڈرو ولسن نے حقِ رائے خود ارادیت کی وکالت شروع کی، کہ "کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم یا لوگوں پر اپنی حکمرانی کو بڑھانے کی کوشش نہ کرے"۔ جب جرمنی کے امریکی بحری جہازوں پر حملے کی وجہ سے بالآخر اسے جنگ شروع کرنی پڑی، تو ولسن نے امریکہ اور دیگر ریاستوں کے عزائم کے درمیاں لکیر کھینچتے ہوئے کہا کہ "ہم ان چیزوں کے لیے لڑیں گے جنہیں ہم نے ہمیشہ اپنے دلوں کے قریب رکھا ہے،

جمہوریت کے لیے حقوق کے لیے۔۔۔ قوموں کی آزادی کے لیے"۔ برطانیہ نے ان بیانات کو اپنی ریاست اور اپنے اداروں پر حملہ سمجھا۔ ولسن کو خاموش کرنے اور فلسطین کو کنٹرول میں لانے کے لیے، انگریزوں نے محسوس کیا کہ ان کا بہترین طریقہ کار یہی ہوگا ایک برطانوی محافظ ریاست کی شکل میں فلسطین میں یہودی ریاست کی وکالت کریں۔ چونکہ اس وقت امریکہ میں 20 لاکھ سے زائد یہودی رہتے تھے، ایسے اقدام سے وہاں برطانویوں کو مقبولیت حاصل ہوگی۔ اور ولسن پر دباؤ ڈالا کہ وہ برطانوی سامراجی عزائم پر تنقید کرنے سے باز رہے۔ اس کے ساتھ ہی، فلسطین میں برطانوی تحفظ کا بنیادی مطلب خطے پر خصوصی کنٹرول ہوگا۔ یہ فلسطین کے لیے برطانوی پالیسی کی بنیاد بنی اور 1917 میں بالفور اعلامیہ میں اسے عام کیا گیا۔ جس میں کہا گیا تھا: "برطانوی حکومت فلسطین میں یہودیوں کیلئے ایک قومی گھر (ملک) کے قیام کی تائید کرتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ بہترین کوشش کریں گے"۔

بالفور اعلامیے کے چند ہفتوں کے اندر، انگریز یروشلم اور فلسطین کے دیگر علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی دوران شریف حسین کے بیٹے فیصل اور مشہور برطانوی افسر ٹی ای لارنس کی قیادت میں عرب فوجیں دمشق اور اس کے ارد گرد کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں جو کہ اب شام کے نام سے مشہور ہے۔ جنگ کے خاتمے تک ایک عارضی انتظام کے طور پر، اور سائکس-پیکاٹ معاہدے کے برخلاف، انگریزوں نے دمشق اور اس کے مشرق میں واقع علاقوں کو عربوں کے کنٹرول میں چھوڑ دیا اور فرانسیسیوں کے کنٹرول میں صرف لبنان کی ساحلی پٹی دی۔

، سائکس پیکاٹ معاہدے کے تحت موصل شہر، جو اب عراق کے نام سے جانا جاتا ہے، فرانسیسیوں کے کنٹرول میں ہونا تھا تاہم اس وقت تک برطانویوں کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس خطے میں تیل وافر مقدار میں موجود ہے۔ نہ صرف یہ کہ تیل کوئلے سے چار گناہ زیادہ مؤثر ہے بلکہ یہ بھی خیال کیا گیا کہ یہ ایک اہم بحری ایندھن ثابت ہوگا۔ لیکن برطانویوں کے پاس اپنے کوئی تیل کے ذخائر موجود نہیں تھے اور اس کے لیے وہ امریکہ کے محتاج تھے۔ امریکی پہلے ہی ان کے عزائم کے مخالف تھے لہذا برطانویوں نے محسوس کیا کہ امریکہ پر اپنی محتاجی کم کرنے اور دنیا میں سب سے طاقتور

بحری قوت برقرار رہنے کے لیے انہیں موصل شہر کی ضرورت تھی۔ جنگ کے دوران جرمنی نے ایک خطہ، آلسس لارن، جو جرمنی اور فرانس کے سرحد پر واقع ہے، اسے فتح کر لیا تھا۔ برطانوی یہ جانتے تھے کہ اس خطے کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے فرانسیسیوں کو ان کی مدد درکار ہوگی کیونکہ یہ واضح نہیں تھا کہ اگر وہاں رہنے والے لوگوں کو اختیار دیا جائے تو وہ فرانس کے ساتھ دوبارہ شامل ہونے کا انتخاب کریں گے یا نہیں ۔ یہ دیکھتے ہوئے برطانیہ نے فرانس کے السیس لورین کے دعوے کی حمایت واپس لینے کا فیصلہ کیا، اس کے فوراً بعد فرانسیسی وزیر اعظم کلیمینسو نے لندن کا دورہ کیا اور اپنے ہم منصب لائیڈ جارج سے پوچھا کہ انگریز کیا چاہتے ہیں، اس نے یروشلم اور موصل کا مطالبہ کیا جسے کلیمینسو نے تسلیم کر لیا۔

فرانسیسیوں کے یروشلم اور موصل کو تسلیم کرنے کے بعد، اب انگریزوں نے فرانسیسیوں کو مجبور کرنے کے طریقے تلاش کرنا شروع کر دیے کہ فرانسیسی شام کے بارے میں اپنے عزائم ترک کر دیں۔ جس پر انہوں نے بالآخر فیصلہ کیا کہ شام میں عربوں کے خود ارادیت کی وکالت کے لیے ولسن کے خود ارادیت کے خیال کو استعمال کیا جائے اور وہ خیال یہ تھا کہ فرانسیسیوں کو شام سے باہر نکالنے کے لیے برطانیہ نواز عرب قوم پرستوں کو استعمال کیا جائے۔ انہوں نے قیادت کے لیے فیصل کو منتخب کیا۔ انہوں نے فیصل کی بین الاقوامی سطح پر تشہیر شروع کر دی اور پیرس میں امن کانفرنس سے خطاب کرنے کے لئے دعوت بھی دی۔ فرانسیسیوں نے اس پر سخت رد عمل کا اظہار کیا اور ابتدا میں اسے برطرف کرنے کی کوشش کی لیکن ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ بعد ازاں انہوں نے اس کے خلاف بہتان تراشی کی عوامی مہم بھی چلائی لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

شام کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ولسن نے اس خطے میں ایک کمیشن بھیجنے کی تجویز پیش کی کہ وہاں کے لوگ فرانسیسی حکمرانی چاہتے ہیں یا نہیں۔ برطانوی اور فرانسیسی دونوں جانتے تھے کہ کمیشن جس نتیجے پر پہنچے گا وہ فرانسیسی مفادات کے خلاف ہوگا۔ تاہم، فرانسیسیوں نے ابتدائی طور پر اس شرط پر کمیشن کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا کہ وہ میسوپوٹیمیا اور فلسطین کا دورہ بھی کرے گا اور اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ آیا وہاں کی رائے عامہ نے برطانوی حکمرانی

کی حمایت کی یا نہیں۔ لیکن بعد میں فرانسیسیوں نے برطانوی فوج کے شام سے نکلنے تک کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ انگریز ان کے خلاف کمیشن کی طرفداری کرنے کی کوشش کریں گے۔ انگریز پہلے سے کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ انہیں لگا کہ اس سے میسوپوٹیمیا اور فلسطین میں آزادی کے مطالبات شروع ہو سکتے ہیں، لہٰذا انہوں نے فرانسیسی مطالبات کو مسترد کر دیا، اور زور دیا کہ وہ کمیشن کی حمایت صرف اس صورت میں کریں گے جب فرانسیسی ایسا کریں۔

اگرچہ برطانوی اور فرانسیسی دونوں نے کمیشن کا بائیکاٹ کیا، لیکن وہ جانتے تھے کہ اس کے نتائج اہمیت کے حامل ہوں گے۔ لہذا برطانوی اور فرانسیسی حکام نے جھوٹا پروپیگنڈا پھیلا کر کمیشن کو ایک دوسرے کے خلاف کرنے کی کوشش کی۔ آخر کار جب کمیشن نے رپورٹ کیا تو اس نے سفارش کی کہ فلسطین اور شام کو امریکی مینڈیٹ کے تحت متحد کیا جائے جس کے سربراہ فیصل ہوں گے۔ اس کے علاوہ، یہ بھی سفارش کی کہ میسوپوٹیمیا کو برطانوی مینڈیٹ کے تحت رہنا چاہیے۔ تاہم، اس وقت تک برطانیہ میں فضول خرچی کے خلاف مہم اور کفایت شعاری کے اقدامات کے مطالبات بڑھ رہے تھے۔ دباؤ کی شکار برطانوی حکومت نے آخر کار شام سے اپنی فوجیں نکالنے اور فرانسیسیوں اور فیصل کے اختیار میں مزید معاملات چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

برطانیہ نے 1919 کے آخر میں شام سے نکلنا شروع کر دیا۔ خطے کا زیادہ تر حصہ بشمول دمشق اور حلب عربوں کے لیے چھوڑ دیا۔ اس سے فرانسیسی ناراض ہو گئے اور مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ برطانیہ شام میں فرانسیسی مینڈیٹ سے اتفاق کرتے ہوئے سائیکس پیکاٹ معاہدے کو پورا کرے۔ شروع میں، انگریزوں نے انکار کر دیا۔ تاہم، اس کے فوراً بعد ہی یروشلم میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان فسادات پھوٹ پڑے جو کئی دنوں تک جاری رہے۔ بالآخر انگریز ان پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے، اس کے باوجود یہودیوں نے ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے جان بوجھ کر فسادات کو اتنے لمبے عرصے تک جاری رہنے دیا۔ اس کی وجہ برطانوی انتظامیہ میں یہود مخالف جذبات کو قرار دیا گیا۔ انگریزوں نے ان کو حل کرنے کی کوشش کی لیکن اس واقعے نے یہودیوں میں خاص طور پر جنہوں نے صیہونیت کی حمایت کی ان میں

برطانیہ مخالف جذبات میں اضافہ کیا۔انگریزوں نے محسوس کیا کہ یہ فرانسیسی ہیں جو دراصل صیہونیوں کے پیچھے ہیں اور برطانیہ مخالف جذبات کو ابھار رہے ہیں۔اس وقت تک سیرین نیشنل کانگریس اعلان کر چکی تھی کہ فیصل شام اور فلسطین کا بادشاہ ہوگا کیونکہ فیصل کے بادشاہ بننے کا اثر برطانویوں پر بھی تھا، لہذا فرانس نے برطانویوں کو اپنے ساتھ ملا کر فیصل کے خلاف مخالفت کرنے کی دعوت دی جو برطانویوں نے مسترد کر دی۔ فرانسیسیوں نے جوابی کارروائی میں سائکس پیکاٹ معاہدے کے مطابق فلسطین میں بین الاقوامی حکمرانی کا مطالبہ کرنے کی دھمکی دے دی۔صورتحال مزید خراب ہونے کے ڈر سے اور بالخصوص اس بات کے ڈر سے کہ فرانسیسی صہونیوں کے برطانیہ کے خلاف ہونے کا فائدہ اٹھائیں گے، آخر کار برطانویوں نے فرانسیسیوں کے ساتھ شام میں مینڈیٹ پر اتفاق کیا۔کچھ عرصے بعد، فرانسیسیوں نے فیصل کی افواج پر حملہ کیا اور اسے دمشق کے باہر شکست ہوئی۔فیصل کو شام سے نکال دیا گیا اور وہ فلسطین فرار ہو گیا۔ اگلے سال، میسوپوٹیمیا میں عرب قوم پرستوں کو تسلی دینے کے لیے جنہوں نے ان سے آزادی کا مطالبہ کیا تھا، برطانویوں نے فیصل کو میسوپوٹیمیا کا بادشاہ مقرر کیا، اور اس کا نام بدل کر عراق رکھ دیا۔

اگلے بیس سال تک، انگریزوں اور فرانسیسیوں نے مینڈیٹ پر ایک دوسرے کے اختیار کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔مثال کے طور پر برطانیہ نے شام میں فرانسیسیوں کے خلاف ڈروز انقلاب کی حمایت کی۔ دوسری طرف فرانسیسیوں نے کردوں کی مدد کے لیے ترکوں کو موصل کے علاقے میں برطانیہ کے خلاف علیحدگی پسند تحریک میں لاجسٹک مدد فراہم کی۔فرانسیسیوں نے فلسطین میں برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے کچھ باغیوں کو پناہ بھی فراہم کی۔جب انگریزوں نے ان باغیوں کو گرفتار کرنے کے لیے ان سے رابطہ کیا تو فرانسیسیوں نے انکار کر دیا۔

دوسری جنگ عظیم 1939 میں چھڑ گئی۔1940 تک جرمنوں نے فرانس کا تقریباً دو تہائی حصہ فتح کر لیا تھا۔فرانسیسی حکومت اس وقت ویچی کے نام سے مشہور تھی-اس نے جرمنوں کے ساتھ تعاون کی پالیسی اپنانے کا فیصلہ کیا۔ویچی کے خلاف فرانسیسی آزادی کی تحریک تھی جس کی قیادت چارلس ڈی گال کر رہا تھا۔ونسٹن چرچل کی مدد سے ڈی گال فرانس سے فرار ہو گیا تھا جس کے بعد چرچل نے اسے فرانسیسی آزادی کی تحریک کا بانی قرار دیا۔زیادہ تر فرانسیسی

سلطنت بشمول شام اور لبنان کی کالونیوں نے ویچی حکومت کو قبول کر لیا تھا۔ چرچل کا ڈی گال کو فروغ دینے کا مقصد فری فرنچ موومنٹ کو استعمال کرتے ہوئے فرانسیسیوں کو مشرق وسطیٰ سے نکالنا تھا۔

عراق میں 1941 میں بغاوت ہوئی جس کے نتیجے میں عبداللہ کی برطانیہ نواز حکومت کا تختہ الٹ گیا اور اس کی بجائے جرمنی کی حمایتی حکومت قائم ہو گئی۔ برطانیہ کو خدشہ تھا کہ اس کے نتیجے میں جرمنی شام کو عراق میں واقعات پر اثرانداز ہونے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اور یہ مشرق وسطیٰ کے دیگر علاقوں میں برطانوی موجودگی کیلئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ ایسی صورت حال سے بچنے کے لیے برطانیہ نے شام پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور فرانسیسی افواج کی مدد سے اسے فتح کر لیا۔ شروع میں برطانیہ اور فرانسیسی آزادی کی تحریک نے شام کی ذمہ داریوں کو آپس میں بانٹنے کا فیصلہ کیا۔ یہ طے ہوا تھا کہ فرانسیسی بیرونی خطرات سے بچنے کے لیے فوج فراہم کریں گے جبکہ فرانسیسی آزادی کی تحریک والے اندرونی معاملات سنبھالیں گے۔ البتہ، اس وقت تک فلسطین میں عربوں کے درمیاں برطانویوں کے خلاف ناراضگی بڑھتی جارہی تھی اور یہ ان کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ برطانویوں نے محسوس کیا کہ عربوں کو تسلی دینے کا ایک طریقہ شام اور لبنان کی آزادی کی ضمانت دینا ہو گا۔ انہوں نے تحریک کو بات ماننے پر مجبور کیا لیکن جو عرب حکومت تحریک نے شام کے لیے قائم کی تھی اس میں اس کے اپنے ہی ایجنٹ تھے۔ برطانویوں کو یہ نامنظور تھا لہذا انہوں نے نئے الیکشن کروانے کا فیصلہ کیا۔ نئی فرانسیسی حکومت کی بدانتظامی کی وجہ سے خطے کو آٹے کے بحران سمیت شدید معاشی بدحالی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب دونوں، برطانوی اور تحریکی، یہ جانتے تھے کہ دوبارہ الیکشن ہونے کی صورت میں نئی فرانسیسی حکومت ہار جائے گی۔ البتہ، اس وقت تک فلسطین میں عربوں کے درمیاں انگریزوں کے خلاف ناراضگی بڑھتی جارہی تھی۔ برطانویوں نے فرانسیسیوں سے قبل از وقت انتخابات قبول کروانے کے لیے ان کی سبسڈی کاٹنا شروع کر دی جو وہ انہیں فراہم کرتے تھے۔ چرچل نے ڈی گال کو بات چیت کے لیے لندن بلایا اور پھر اس کے ٹیلی گرافک روابط منقطع کر دیے، چنانچہ اب فرانسیسی آزادی کی تحریک کے پاس نئے انتخابات کو قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

اگرچہ فرانسیسیوں نے انتخابات کے انعقاد کے مطالبے کو تسلیم کر لیا لیکن انہوں نے فرانسیسی لیڈروں اور سیاستدانوں کی تشہیر کرتے ہوئے پوری کوشش کی کہ انتخابات کے نتائج ان کے حق میں ہوں۔ دوسری طرف برطانوی شام اور لبنان میں ان کی کوششوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ لبنان میں فرانسیسیوں نے غصے کا اظہار کیا اور نو منتخب برطانوی وزیر اعظم اور کابینہ کے بیشتر ارکان کو اغوا کر لیا۔ چونکہ فوج ابھی بھی برطانوی کنٹرول میں تھی اس لیے انھوں نے فرانسیسیوں کو دھمکی دی کہ اگر ان کے اغواہ شدہ اراکین کو رہا نہیں کیا گیا تو وہ لبنان میں مارشل لاء نافذ کر دیں گے۔ فرانسیسیوں کے پاس ان کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

اس وقت تک، برطانیہ نے ایک قیادت کے تحت شام، اردن اور لبنان اور فلسطین کے کچھ حصوں کو متحد کرنے والے 'عظیم تر شام' کے منصوبے کی حمایت کرنا شروع کر دی تھی۔ برطانویوں کا خیال تھا کہ عربوں کو تھوڑی آزادی دینے سے وہ فلسطین میں ایک یہودی وجود کو قبول کرنا شروع کر دیں گے۔ تاہم ایسا نہیں ہو سکا کیونکہ عربوں کو صیہونی ریاست پر اعتراضات تھے اور اس لیے بھی کہ وہ ایک قیادت پر متفق نہیں ہو سکے۔ (برطانوی شریف حسین کے بیٹے عبداللہ کو قائد کے طور پر چاہتے تھے)۔ 1945 میں عربوں نے ایک عرب لیگ بنائی جس میں فرانس کو لیونٹ سے نکالنا ان کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تھا۔

دوسری جنگ عظیم 1945 میں ختم ہو چکی تھی۔ فرانس نے لیونٹ میں اپنی موجودگی کا جشن منانے کے لیے ریلیاں نکالی۔ اس کے جواب میں عرب قوم پرستوں نے جو برطانیہ کے حامی تھے انہوں نے اپنی ریلیاں نکالی جس میں عرب قوم پرستی کا مطالبہ کیا گیا۔ شروع میں یہ ریلیاں پر امن تھیں لیکن بعد میں صورتحال بگڑتی گئی۔ اس صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لیے، فرانسیسیوں نے اپنی فوج بھیجی۔ اس کے بعد ہونے والے تشدد میں سیکڑوں لوگ مارے گئے۔ یہاں تک کہ فرانسیسیوں نے دمشق پر بمباری شروع کر دی۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ فرانس نہ صرف اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صورتحال کو کنٹرول کر رہا تھا بلکہ شام اور لبنان کو اپنے ساتھ ڈیل پر دستخط کرنے پر بھی مجبور کر رہا تھا، تو برطانویوں نے اپنی فوجیں بھیج کر مداخلت کرنے کا فیصلہ کیا۔ تمام فرانسیسی اہلکاروں کو کرفیو میں ڈال دیا گیا۔ اس وقت

تک، عوامی رائے میں لیونٹ بھی فرانسیسی مخالف ہو گیا تھا۔ کوئی فرانسیسی اہلکار قتل ہونے کے ڈر سے بغیر فوجی محافظ کے سفر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ بلآخر فرانس اور برطانیہ نے لیونٹ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ ساتھ ہی چھبیس سالہ فرانسیسی مینڈیٹ اپنے اختتام کو پہنچا۔ چونکہ پچھلے انتخابات میں کوئی بھی فرانسیسی قائد نہیں جیتا تھا اس لیے اس کا نتیجہ لیونٹ میں فرانس کی موجودگی کا اختتام تھا۔

جب انگریز انہیں لیونٹ سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے، فرانسیسیوں نے انتقام کے طور پر برطانیہ کے خلاف مختلف صہیونی گروہوں اور رہنماؤں کی حمایت کر کے فلسطین میں مداخلت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس وقت تک امریکہ نے بھی مشرق وسطیٰ میں مداخلت کرنے اور وہاں سے برطانویوں کو نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ امریکہ نے یہ کام ایک یہودی ریاست بنانے سے شروع کیا۔ فرانس اور امریکہ کی مدد سے صیہونی گروہوں نے برطانویوں کے خلاف پر تشدد مہم شروع کر دی۔ بلآخر 14 مئی 1948 کو برطانویوں نے فلسطین چھوڑ دیا۔ صہیونیوں نے فوراً اسرائیل کی ریاست کا اعلان کر دیا۔ اسی دن سے عرب لیگ میں شامل ممالک نے اعلان جنگ کیا اور پہلی عرب اسرائیل جنگ شروع ہوئی۔

مشرق وسطیٰ میں اینگلو-امریکی دشمنی

اینوک پاول-جو ایک ممتاز برطانوی سیاستدان تھے جنہوں نے مشرق وسطیٰ میں کئی سال گزارے، انھوں نے برطانیہ کے مشہور وزراء اعظم اور خارجہ سیکریٹری انتھنی ایڈن سے ایک دفعہ کہا کہ میں آپکو بتانا چاہتا ہوں کہ مشرق وسطیٰ میں ہمارا سب سے بڑا دشمن امریکہ ہے-کافی سالوں بعد ایڈن نے اس بات کو یاد کرتے ہوئے اپنی ریٹائرمنٹ پر کہا کہ مجھے اس وقت نہیں پتہ تھا وہ کیا کہہ رہے ہیں لیکن اب پتہ چل گیا ہے۔ پچھلی صدی کے آخری پانچ یا چھ دہائیوں میں امریکہ اور برطانیہ مشرق وسطیٰ پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے آپس میں لڑتے رہے ہیں۔ آج تک، برطانوی اپنے 'اتحادی' کے بارے میں لاکھوں مالیت کے دستاویزات اپنے پاس رکھے ہوئے ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ واضح تھا امریکہ پہلے کی طرح اب گوشہ نشینی میں جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔امریکی صدر فرانکلن روسورٹ نے پہلے ہی جنگ کے بعد امریکی قیادت میں عالمی نظام کی بنیادیں رکھنا شروع کر دی تھی۔روزویلٹ نے چرچل کو اٹلانٹک چارٹر پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کرنا شروع کر دیا جس کے مطابق دنیا میں لوگوں کو خودارادیت کا حق حاصل تھا۔اس چارٹر کو برطانویوں نے برطانوی استعماری ادارے پر حملہ سمجھا۔امریکہ پہلے ہی بڑی مقدار میں مالی امداد اور ساز وسامان فراہم کر رہا تھا اس لیے برطانوی اس کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے

۔

امریکہ کے مشرق وسطیٰ میں داخل ہونے کے دو بڑے تحفظات تھے۔پہلی وجہ تیل تھی۔1932 میں ابن سعود نے شریف حسین سے علاقہ فتح کرنے کے بعد سعودی عرب قائم کیا۔اور کچھ عرصہ بعد Californian Arabian Standard Oil Company کو تیل تلاش کرنے کا حق دیا۔برطانیہ نے مشرق وسطیٰ سے امریکی تیل کمپنیوں کو باہر کرنے کے بعد اس اقدام کی حمایت کی۔یہاں تک کہ برطانویوں نے امریکہ کو ابنِ سعود اور اس کے حلقہ احباب میں بھی متعاف کروایا۔کاسکو شروع میں ایک نجی منصوبہ تھا۔تاہم،امریکیوں کو جلد ہی پتہ چلا کہ برطانوی امریکی امداد کو ابن سعود کے ساتھ اپنا اثر ورسوخ برقرار رکھنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔اسی دوران امریکہ میں تیل کی ذخیرہ اندوزی کے لیے دباؤ آنا شروع ہو گیا جس کے نتیجے میں امریکہ نے عالمی تیل کی فراہمی کو اپنی اہم خارجہ پالیسی بنانے کا فیصلہ کیا۔

دوسری طرف فلسطین اور یہودی ریاست کو بنانے کا مسئلہ تھا۔صیہونی عسکری تنظیموں کے دہشت گردانہ حملوں کے خلاف برطانیہ نے بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن شروع کیا۔مزید انہوں نے یہودیوں کی امیگریشن پر بھی حد لگادی۔یہ بات امریکہ میں ایک بااثر یہودی کمیونٹی کو بالکل اچھی نہیں لگی،لہذا انہوں نے امریکی حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ برطانیہ کے خلاف کارروائی کرے۔برطانوی دو صوبوں پہ مشتمل اقوام متحدہ کے تحت ایک وفاقی ریاست چاہتے تھے جس پر وہ حکومت کریں۔دوسری طرف امریکہ یہ چاہتا تھا کہ خطے کو عرب اور یہودی ریاستوں میں

تقسیم کر دیا جائے۔ تقسیم کے لیے ایک تجویزی مسودہ اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا۔ انگریزوں نے دھمکی دی کہ اگر یہ تجویز منظور ہو گئی تو وہ فلسطین سے مکمل طور پر دستبردار ہو جائیں گے۔ دوسری طرف امریکہ اپنے مطالبات پر قائم رہا۔ یہاں تک کہ فرانس کو مجبور کیا کہ اقوام متحدہ میں اسے ووٹ دے اور ایسا نہ کرنے پر جنگ کے بعد فرانس کی مدد نہ کرنے کی دھمکی بھی دی۔ اس کے نتیجے میں قرارداد منظور ہو گئی۔ برطانوی اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ فلسطین میں رہنے کا مزید اب کوئی فائدہ نہیں ہے، لہٰذا یکطرفہ طور پر 14 مئی 1948 کو فلسطین سے پیچھے ہٹ گئے جس کے نتیجے میں پہلی عرب اسرائیل جنگ ہوئی۔

جب برطانوی فلسطین سے نکل رہے تھے تو امریکہ نے ایسے راستے تلاش کرنا شروع کر دیے جس سے وہ برطانویوں کو اردن سے بھی نکال سکیں۔ اردن میں اس وقت شریف حسین کے بیٹے شاہ عبداللہ کی حکومت تھی جسے اردن میں برطانویوں نے نصب کیا تھا۔ امریکیوں نے عبداللہ سے رابطہ کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ برطانویوں سے رابطہ منقطع کر کے اسرائیل سے معاہدہ کر لے۔ اس کے بدلے میں اُنہوں نے 'عظیم تر شام' کے عزائم میں اس کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا۔ عبداللہ نے ان سے اتفاق کیا اور 'عظیم تر شام' منصوبہ شروع کرنے کے لیے عراق کے قائم مقام حاکم سے رابطہ کیا جو کہ اس کا بھتیجا تھا۔ اس کا نام بھی عبداللہ تھا اور اس نے ساری معلومات برطانویوں کو فراہم کر دی۔ برطانویوں نے اس سے اس منصوبے کی مدد نہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ بعد میں عبداللہ نے اس معاملے پر غیر جانبدار ہونے کا بیان جاری کر دیا۔ چونکہ یہ پہلا موقع تھا جب اس حاکم نے عوامی طور پر شاہ عبداللہ سے اختلاف کیا تھا، اس لیے اس بیان کے گہرے سیاسی اثرات تھے۔ اس کے نتیجے میں کچھ دنوں بعد اپنے برطانوی مشیر ایلک کرکبرائیڈ کے اصرار پر عبداللہ نے 'عظیم تر شام' منصوبے کو آگے نہ بڑھانے کا اعلان کیا۔

دوسری طرف امریکیوں نے بھی مصر پر توجہ مرکوز کرنا شروع کر دی اور برطانویوں کو وہاں سے بھی نکالنے کے طریقے تلاش کرنے لگے۔ برطانویوں نے 1882 میں مصر پر قبضہ کیا تاکہ وہ سویز نہر پر کنٹرول حاصل کر سکیں اور اس لیے کہ سویز نہر کا راستہ ہندوستان تک نسبتاً سیدھا اور چھوٹا تھا۔ تاہم، اس پر براہ راست حکمرانی کرنے کی بجائے انہوں

نے اسے ایک حکمران کے تحت خلافتِ عثمانیہ کا حصہ بنانے کا فیصلہ کیا اور یہ کہ وہ حکمران (خیدیو) ان کے مطابق فیصلے کرے گا۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز پر خیدیو نے برطانویوں کے خلاف خلافتِ عثمانیہ کا ساتھ دینے کا ارادہ کیا۔ برطانوی انگریزوں نے، جن کی فوجیں مصر میں تعینات تھیں، انھوں نے خیدیو کو برطرف کر کے اس کے چچا کو مصر کا سلطان بنا دیا اور مصر کی حیثیت کو ایک محافظ میں تبدیل کر دیا۔ تاہم 1921 میں سلطان نے اپنے آپ کو بادشاہ قرار دے کر مصر کو ایک آزاد ریاست قرار دیا۔ ایسا کرنے کے لیے اس نے انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کیا جہاں اس نے انہیں فوجیوں کو تعینات کرنے اور سویز نہر کو کنٹرول کرنے کی اجازت دی۔ جو برطانوی فوجی سویز نہر پر تعینات تھے وہ اپنے برے رویوں کی وجہ سے مقامی لوگوں میں کافی غیر مقبول تھے۔ اس کے نتیجے میں برطانوی فوجیوں اور اڈوں پر اکثر مقامی لوگوں نے حملہ کیا۔ برطانوی جوابی کارروائی کرتے ہوئے قریبی علاقوں کی بجلی منقطع کرتے تھے، کیونکہ سوئز آئل ریفائنری پر ان کا کنٹرول تھا۔ اس طرح صورتحال بگڑتی گئی۔ جب مصری حکومت نے برطانویوں کے ساتھ تعاون کرنے سے منع کیا تو انہوں نے بادشاہ فاروق سے حکومت کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر فاروق نے انکار کیا تو وہ کائرہ کی طرف اپنی فوجیں روانہ کر دیں گے۔ فاروق نے دباؤ میں آکر حامی بھر لی۔ اس دوران امریکہ مصر کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے فاروق سے اس امید کے ساتھ رابطہ کیا کہ کسی طرح اس کو مصر سے برطانویوں کو نکالنے پر مجبور کر سکیں۔ تاہم جب یہ واضح ہو گیا کہ فاروق کسی بھی قسم کی اصلاحات کو نافذ کرنے کے لیے نااہل ہے، تو امریکہ نے 'آزاد افسران' کے نام سے کچھ فوجی افسران کو بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور کیا۔ 'آزاد افسران' تحریک کے قائدین میں محمد نجیب اور جمال عبدالناصر شامل تھے۔ بغاوت 1952 میں کامیاب ہوئی۔ بغاوت سے پہلے 'آزاد افسران' نے برطانویوں کو امریکی سفارتخانے کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ وہ فاروق کے ذریعے مداخلت نہ کریں۔ بغاوت کے بعد فاروق کو جلاوطن کر دیا گیا اور برطانیہ کے کئی حامی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں نجیب وزیر اعظم بن گیا اور ایک سال بعد جب مصر میں بادشاہت ختم کر کے اسے جمہوری ریاست بنایا گیا تو نجیب اس کا پہلا صدر بنا۔ تاہم، اس کی صدارت صرف ایک سال تک جاری رہی، کیونکہ 1954 میں ناصر کے ساتھ اقتدار حاصل کرنے کے مقابلے میں اسے شکست ہوئی اور اس کے بعد پھر ناصر مصر کا صدر بن گیا۔

ناصر کی اولین ترجیحات میں سے ایک سوئز نہر سے برطانوی فوجیوں کو جلد از جلد نکالنے کے لیے بات چیت کرنا تھی۔ برطانوی فوجیوں پر مقامی لوگوں کے حملے۔ جنہیں فدائین کہا جاتا ہے، اب بھی جاری تھے اور اس بات کو بنیادی وجہ بتاتے ہوئے ناصر نے برطانویوں سے مصر چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ بلآخر برطانوی مان گئے اور اپنے وہاں سے نکلنے کی تاریخ مقرر کرلی اگرچہ اس بات پر اتفاق کیا گیا تھا کہ اگلے سات سال تک برطانوی فوجی اڈے مصر میں کام کرتے رہیں گے۔

چونکہ مصر اب ہاتھ سے نکل چکا تھا، برطانویوں نے مشرق وسطیٰ پر اپنا کنٹرول باقی رکھنے کے طریقے تلاش کرنا شروع کردیے۔ اس مقصد کے حصول اور مصر کو اکیلا چھوڑنے کے لیے برطانیہ نے مشرق وسطیٰ کے باقی ممالک سے دفاعی معاہدہ کرنے کی کوشش شروع کردی۔ بغداد پیکٹ جو کہ بعد میں سینٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن کے نام سے جانا جاتا تھا، اس پر 1955 میں ایران، ترکی، پاکستان، عراق اور برطانیہ کے درمیان دستخط ہوئے۔ جب امریکیوں پر برطانیہ کے ارادے واضح ہوئے تو اس نے اس معاہدے کو روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

بغداد معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد، یہ واضح تھا کہ مصر کو مستقبل میں دشمن سے نمٹنے کے لیے بہتر فوجی ساز و سامان کی ضرورت ہوگی۔ ناصر چاہتا تھا کہ امریکی مصر کو فوجی امداد فراہم کریں جس پر انھوں نے اتفاق کیا۔ البتہ، اس وقت کے امریکی قانون کے تحت، اس کے لیے امریکی فوجی اہلکاروں کو مصر تک رسائی کی اجازت ملنا ضروری تھا۔ چونکہ اس کی ساری شہرت اور مقبولیت سامراج مخالف بیانات پر مبنی تھی، اس لیے ناصر یہ پیشکش قبول نہیں کرسکا۔ امریکہ پر دباؤ ڈالنے کے لیے ناصر نے ہتھیاروں کے لیے روس سے رابطہ کیا۔ روس ناصر کے امریکہ سے تعلقات کے بارے میں آگاہ تھا اس لیے پہلے ہچکچاہٹ کا شکار ہوا، بعد میں کپاس کے بدلے ہتھیار بیچنے پر راضی ہوگیا۔ امریکہ نے محسوس کیا کہ روس کی پیشکش اتنی اچھی تھی کہ اگر ناصر انکار کرتا تو اس کے خلاف بغاوت شروع ہوجاتی۔ اس لیے اس نے ناصر کی مخالفت نہ کرنے کا فیصلہ کیا بلکہ اس میں ناصر کا ساتھ دیا تاکہ باقی مغربی ریاستوں اور بالخصوص برطانیہ کو یہ یقین دلایا جاسکے کہ یہ سیاسی کی بجائے خالصتاً ایک تجارتی عمل ہے۔ امریکہ میں بااثر صیہونی کے حامی گروہ نے مصر کی براہ راست

مدد کو ویسے ہی مشکل بنا دیا تھا۔ تاہم سی-آئی-اے نے وائس آف عرب ریڈیو چینل کے قیام کی حمایت کی جس کے ذریعے مشرق وسطیٰ میں ناصر کے پروپیگنڈے کو فروغ ملا۔ اس میں برطانیہ کے خلاف پروپیگنڈا بھی شامل تھا۔

اس دوران امریکی ناصر پر دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ عرب-اسرائیل بحران کا حل نکالے اور اسرائیل سے تعلقات بڑھائے لیکن ناصر ان کے مطالبات پر عمل نہیں کر سکا کیونکہ وہ صہیونیت کے خلاف تھا اور اس موقف کی وجہ سے اسے بہت حمایت حاصل تھی۔ ناصر ڈیم تعمیر کروانا چاہتا تھا جس کے لیے امریکیوں نے برطانویوں کے ساتھ مل کر اسے قرض دینے کا بھی وعدہ کیا تھا۔ لیکن امریکہ میں ایک بڑی تعداد میں قانون سازوں کی مخالفت کے بعد انہوں نے یہ پیشکشیں واپس لے لی۔

اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ناصر نے امریکیوں کے اس فیصلے کو مغرب کی طرف سے مصر کی تذلیل قرار دیا اور سویز نہر کو قومی ملکیت میں لینے کا فیصلہ کیا جبکہ وہ اب بھی برطانوی کنٹرول میں تھا۔ امریکی یہی چاہتے تھے اور برطانویوں کی طرف سے فوجی مداخلت روکنے کے لیے انہوں نے ایک کانفرنس کا اعلان کیا لیکن کانفرنس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا جس کے بعد برطانویوں نے فوجی مداخلت کا فیصلہ کیا۔ تاہم وہ یہ جانتے تھے کہ فوج کی طرف سے کسی بھی عمل کے نتیجے میں انہیں امریکی مداخلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت امریکہ میں صدارتی انتخابات متوقع تھے اور آئیزن ہاور دوبارہ منتخب ہونے کے لیے صیہونی کے حامیوں پر انحصار کر رہا تھا۔ برطانویوں نے محسوس کیا کہ اگر کسی طرح وہ اسرائیل سے مصر پر حملہ کروانے میں کامیاب ہو گئے تو آئیزن ہاور کے پاس انکی حمایت کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہو گا۔

اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، انہوں نے اپنے ساتھ فرانسیسیوں کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسرائیل، فرانس اور برطانیہ نے فرانس میں مل کر یہ طے کیا کہ اسرائیل مصر پر حملہ کریگا۔ دو دن بعد ثالثی کے بہانے فرانس اور برطانیہ سویز نہر کا کنٹرول سنبھال لیں گے۔ 1956 کے اکتوبر کے آخر میں منصوبے کے مطابق

اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا اور بعد میں فرانس اور برطانیہ بھی ان کے ساتھ مل گئے لیکن اس وقت تک امریکہ نے ان کی منصوبہ بندی کا اندازہ لگا لیا تھا لہذا اس نے یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں اٹھایا۔ جس کے نتیجے میں وہاں ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا اور قرارداد منظور ہوئی کے تینوں ممالک اپنی فوجیں واپس بلا لیں گے اور اپنے اپنے مطالبات واپس لیں۔ تاہم برطانویوں نے حالات کو گھسیٹنے کی کوشش کی جس کے جواب میں امریکہ نے برطانیہ اور فرانس پر تیل کی پابندیاں عائد کر دیں۔ فرانس اور برطانیہ نے کویت اور بحرین پہ حملہ کرنے کا سوچا تاکہ تیل پر پابندیوں اور سویز کنال کی بندش سے جو نقصان ہوا اس کی تلافی ہو سکے۔ لیکن بعد میں انہوں نے یہ ارادہ بدل دیا۔ بالآخر شدید دباؤ میں آکر فرانس اور برطانیہ نے اپنی فوجیں واپس بلوالیں اور اس طرح برطانیہ کا مصر پر سے اثر ختم ہو گیا۔ سویز بہران اور عراق اور اردن میں شکست کے بعد برطانیہ کا ایک سپر پاور کے طور پر خاتمہ ہوا۔

بیسویں صدی میں مشرق وسطیٰ پر بین الاقوامی فسادات کا بہت اثر رہا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں دوسری جنگ عظیم تک برطانوی اور فرانسیسی اس خطے پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے آپس میں لڑتے رہے۔ برطانوی جیت گئے اور فرانسیسیوں کو اس خطے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے جبکہ صدی کے دوسرے نصف میں امریکیوں نے برطانیوں کو اس خطے سے بے گھر کر دیا تھا۔

مزید اس مضمون میں پچھلی صدی کی مختلف مثالوں سے یہ بتایا گیا ہے کہ جو حکمران پچھلے سو سال سے زائد مسلمان ممالک پر حکومت کر رہے تھے وہ محض کٹھ پتلی ہیں جنہیں مغربی طاقتیں اپنے مفاد کیلئے استعمال کر رہی ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مغربی طاقتوں میں بھی اتحاد نہیں ہے جیسا کہ وہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر ان میں آپس میں شدید اختلافات رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے

﴿بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ﴾

"ان کی آپس میں لڑائی بہت سخت ہے۔ تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں، یہ اس لیے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں"(الحشر:14)

یقیناً مستقبل کی وہ خلافت جس کی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، ان کو کمزور بنانے کے لیے ان کے آپس کے اختلافات سے فائدہ اٹھائے گی۔

فہرست

اسلامی نقطہ نظر کا مرد و عورت کے تعلق پر اثر

شیخ تقی الدین النبھانی کی کتاب "اسلام کا معاشرتی نظام" سے اقتباس

جب انسان کی جبلت بھڑکتی ہے تو تسکین چاہتی ہے اور جب تک یہ اُبھرے نہیں تو یہ اپنی تسکین یا اپنی تشفی کا مطالبہ بھی نہیں کرتی۔ جب یہ جبلت اُبھر کر اپنی تسکین چاہتی ہے تو انسان کو متحرک کرتی ہے کہ وہ اس جبلت کی تسکین کے لئے کوشش کرے۔ پھر جب اُس بھڑکی ہوئی جبلت کو سیراب نہ کیا جائے، انسان بے چین رہتا ہے اور جوں ہی اس جبلت کو سیراب کر دیا جائے، انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کی تشفی یا تسکین کے نہ ہونے سے موت واقع نہیں ہو جاتی اور نہ ہی کوئی جسمانی، عقلی یا نفسیاتی ضرر پہنچتا ہے۔ تسکین نہ ہونے کی صورت میں بس فکر مندی اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا جبلت کی تسکین جسمانی حاجت کی طرح کوئی حتمی یا لازمی چیز نہیں بلکہ اس کی تسکین تشفی اور راحت کے لئے ہے۔

دو امور ایسے ہیں جن سے جبلت میں اُبھار آتا ہے یا جبلت بھڑکتی ہے: ایک تو کسی مادّی حقیقت کا سامنے ہونا، اور دوسرے کوئی فکر اور اس فکر سے متعلق سوچ۔ اِن دونوں میں سے اگر کوئی بھی موجود نہ ہو تو جبلت نہیں بھڑکتی، اس کے معنی یہ ہوئے کہ جبلتیں جسمانی حاجت سے مختلف ہوتی ہیں، جبلت کسی اندرونی محرک (Internal Motivation) سے نہیں بھڑکتی بلکہ جبلت کے بھڑکنے کے لئے باہر سے تحریک لازمی ہے، یعنی مادّی حقیقت کا ہونا اور پھر اس سے متعلق سوچ کا ہونا۔ یہ اصول تمام جبلتوں پر صادق آتا ہے جیسے جبلتِ نوع، جبلتِ تدین وغیرہ۔

چونکہ جبلتِ نوع اس معنی میں دوسری جبلتوں کی طرح ہے کہ جب یہ اُبھرے تو تسکین چاہتی ہے، اور یہ تب تک نہیں بھڑکتی جب تک کوئی مادّی حقیقت یا اس سے متعلق فکر نہ ہو، لہٰذا انسان کے لئے جبلتِ نوع کو قابو میں رکھنا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ فی الحقیقت انسان اس جبلت کی تسکین کے لئے قدم بھی بڑھا سکتا ہے اور اس تسکین کی اس انداز سے حد بندی بھی کر سکتا ہے جو نسلِ انسانی کے بقاء کی جانب ہو۔ لہٰذا دوسری جنس کو دیکھنا یا جبلتِ نوع سے

متعلق کسی اور مادّی حقیقت کا سامنے ہونا، اسی طرح جنسی قصّے کہانیاں پڑھنا یا جنسی سوچ کی باتیں سننا، یہ تمام چیزیں جبلتِ نوع کو اُبھارتی ہیں۔ اسی طرح اِن تمام چیزوں سے دور رہنا اس جبلت کو اُبھرنے سے روکتا ہے کیونکہ جبلت کے بھڑکنے کے لئے یا تو کسی مادّی حقیقت کا ہونا لازمی ہے یا اس سے متعلق فکر کا ہونا۔

لہٰذا جب معاشرے کا مرد اور عورت کے متعلق نقطۂ نظر نر اور مادہ کے آپسی تعلق (Male Female Relationship) پر مرکوز ہوگا یعنی جنسی تعلق پر جیسا کہ مغربی معاشرے کا حال ہے، تو یہ معاشرہ ایسی مادّی حقیقت کے ذرائع پیدا کرنے اور ایسے افکار اور سوچ کو اُبھارنے میں لگا رہے گا جو مرد و زن میں جبلتِ نوع کو بھڑکاتے ہوں تاکہ پھر انسان اس جبلت کی تشفی اور اس کی تسکین کے لئے کھڑا ہو اور اس بنیاد پر تعلق استوار کرے اور اپنی جبلت کو سیراب کرے اور سکون حاصل کرے۔ اس کے برعکس جب معاشرے کا مرد اور عورت کے بارے میں تصوّر یہ ہو کہ اِس جبلت کو انسان کے اندر نسل کی بقاء کیلئے رکھا گیا ہے، تو ایسے معاشرے میں یہ کوشش ہوگی کہ اس جبلت کو بھڑکانے والی مادّی حقیقت اور اس سے متعلق افکار کو عوامی زندگی (پبلک لائف) سے دور رکھا جائے تاکہ یہ جبلت نہ بھڑکے اور اپنی تسکین کا تقاضا نہ کرے جو دستیاب نہیں ہے اور اس طرح اس جبلت سے پیدا ہونے والی بے چینی اور رنج سے محفوظ رہے۔ مزید یہ کہ اس جبلت کو اُبھارنے والی مادّی حقیقتوں کو نکاح کے رشتہ تک مقید کرنا ضروری ہے تاکہ انسانی نسل کی بقاء ہو سکے اور اس جبلت کی تسکین اور تشفی بھی ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معاشرے کا مرد اور عورت کے متعلق نقطۂ نظر کس حد تک مرد اور عورت کے درمیان تعلق کو سمت دینے اور عوامی زندگی (پبلک لائف) اور معاشرے کی جہت کا تعین کرنے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مغربی معاشرہ جو کہ سرمایہ دارانہ مبداء کا حامل ہے اور مشرقی معاشرہ، دونوں کا مرد اور عورت کے بارے میں نقطۂ نظر جنسیت پر مبنی ہے نہ کہ انسانی نسل کی بقاء پر۔ لہٰذا اُن کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ معاشرے میں انسان کے سامنے اس جبلت کو بھڑکانے اور اُبھارنے والے وسائل اور جنسی افکار کو عیاں رکھا جائے تاکہ مرد اور عورت اس بھڑکی ہوئی جبلت کو سیراب کرنے کی جستجو کرے۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس جبلت کا سیراب نہ کرنا جبر کا موجب ہے جو جسمانی، عقلی اور نفسیاتی ضرر کا باعث بنتا ہے۔ نتیجتاً مغربی اور سوشلسٹ معاشروں میں اور اُن کے قصّے کہانیوں اور شاعری وغیرہ میں جنسی افکار کی کثرت ہوتی ہے اور ان کے

گھروں میں، بازاروں، راستوں، باغیچوں یا تالابوں وغیرہ پر مرد اور عورت کا غیر ضروری اختلاط (Mixing) کثرت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اس اختلاط کو نہایت لازمی خیال کرتے ہیں اور ایسے مواقع پیدا کرتے ہیں جہاں یہ اختلاط ممکن ہو، اور یہ اختلاط اُن کے طرزِ زندگی اور نظمِ زندگی کا لازمی جزو ہے۔

مغربی اور مشرقی معاشرے کے برعکس مسلمان جو اسلام کو تسلیم کرتے ہیں اور اسلام کے عقیدہ اور احکامات پر ایمان رکھتے ہیں، تو ان کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔ یعنی اسلام مرد و عورت کے تعلقات کو انسانی نسل کی بقاء کی نظر سے دیکھتا ہے نہ کہ محض جنسی تعلق کی نظر سے، اگرچہ اسلام جنسی پہلو کو جبلتِ نوع کی تسکین کا لازمی جزو گردانتا ہے، لیکن جنسی پہلو اس سیرابی کا مرکزی نقطہ نہیں ہے۔ پس اسلام کے نزدیک معاشرے میں جنسی فکر اور سوچ کا ہونا نقصان اور ضرر کا سبب ہے اور جبلتِ نوع کو ابھارنے والی مادّی حقیقتوں کا سامنے ہونا ایسا امر ہے جو معاشرے کو بگاڑ یا فساد (Corruption) کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان خلوت سے منع کیا، عورت کو اپنا بناؤ سنگار غیر محرموں پر ظاہر کرنے سے منع کیا، مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی جانب جنسی شہوت کی نگاہ سے دیکھنے کی ممانعت کی، حیاتِ عامہ یعنی پبلک لائف میں مرد اور عورت کے درمیان میل جول کو متعین احکام کا پابند کیا اور مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق کو صرف دو حالتوں تک مقید و محدود کیا: یعنی رشتۂ نکاح اور لونڈیوں تک۔

لہٰذا اسلام حیاتِ عامہ (پبلک لائف) میں کسی چیز سے اس جبلت کے بھڑک اٹھنے کو روکتا ہے اور جنسی تعلق کو مذکورہ دو حالتوں تک محدود رکھتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ نظام اس جبلت کو اُبھارنے اور بھڑکانے کے وسائل پیدا کرتے ہیں اور اس جبلت کو بے لگام کھلا چھوڑ دیتے ہیں، جبکہ اسلام کا مرد اور عورت کے میل جول کے بارے میں نقطۂ نظر انسانی نسل کے بقاء کے حوالہ سے ہے جبکہ سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ نظام مرد اور عورت اور اِن کے درمیان تعلق کو 'نر اور مادہ کے تعلق' کے طور پر یعنی جنسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس حوالے سے اِن دونوں نظریات کے موقف اور اسلام کے نقطۂ نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اِن مبادی کے موقف اور اسلام کے

نقطۂ نظر کے تضاد کو سمجھ لینے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر پاکیزہ اور اعلیٰ ہے جو انسان کے اطمینان اور اس کی نسل کے بقاء کا نقطۂ نظر ہے۔

سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ آئیڈیالوجی کے حامل افراد کا یہ دعویٰ ہے کہ اس جبلت کی تسکین نہ ہونے سے پیدا ہونے والی بے چینی جسمانی، عقلی و نفسیاتی امراض کا باعث بنتا ہے۔ یہ درست نہیں، بلکہ یہ محض اُن کا وہم ہے جو حقیقت کے مخالف ہے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ جبلت اور جسمانی حاجت اپنی تسکین کے لازم ہونے کے حوالے سے دو مختلف چیزیں ہیں۔ جسمانی حاجات جیسے بھوک، پیاس اور قضاء حاجت وہ ہیں جن کا پورا کیا جانا قطعاً لازم ہے، اگر انھیں پورا نہ کیا جائے تو جسم کو ضرر پہنچتا ہے اور موت واقع ہو سکتی ہے جبکہ جبلتیں، جیسے جبلتِ نوع، جبلتِ تدین، تو اِن کا پورا نہ کیا جانا اُس طرح لازمی نہیں ہوتا، کہ اس کے پورا نہ ہونے سے جسم، عقل یا نفسیت کو ضرر پہنچے، البتہ اس سے فقط بے چینی اور اضطرابیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو اِن میں سے کچھ جبلتوں کو سیر اب کئے بغیر ساری عمر گزار دیتے ہیں اور اس کے باوجود اُنھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ پھر اِن آئیڈیالوجی کے حاملین کا یہ دعویٰ کہ جبلتوں کا پورا نہ کیا جانا جسمانی، عقلی اور نفسیاتی امراض کا سبب بنتا ہے، یوں بھی بے بنیاد ہے کہ ایسا نقصان ہر ایک انسان کو نہیں پہنچتا، بلکہ کچھ لوگوں کو ایسے امراض لاحق ہوتے ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ جبلت کو سیر اب نہ کرنے سے ان امراض کا ہونا اس جبلت کو سیر اب نہ کرنے کا لازمی اور قدرتی نتیجہ نہیں بلکہ ایسا دیگر وجوہات کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اگر یہ امراض یا نقصان جبلت کو دبانے اور اسے سیر اب نہ کرنے کے نتیجے میں لازماً ہوتے تو ہر ایک شخص جو اپنی جبلت کو سیر اب نہ کرتا ہو اسے یہ لازماً لاحق ہوتے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اِن آئیڈیالوجیز کے حاملین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ جسمانی اور نفسیاتی ضرر کسی جبلت کو دبانے کا فطری نتیجہ نہیں ہیں، لہٰذا جبلت کو دبانے کی بجائے بعض دوسرے محرکات ہیں جو ان امراض کا سبب ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جسمانی حاجات اندرونی طور پر ہی اپنی سیرابی کا تقاضا کرتی ہیں، اُنھیں کسی بیرونی محرک کے اثر انداز ہونے کی ضرورت نہیں، گو کہ اس حاجت کو پورا کرنے کی ضرورت کے احساس کے وقت

اگر کوئی بیرونی محرک بھی موجود ہو تو وہ اس اندرونی حاجت کو مزید اُبھار سکتا ہے۔ اس کے برخلاف جبلتوں کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی بیرونی محرک کے بغیر محض کسی اندرونی محرک کی بناء پر سیرابی کا تقاضا نہیں کرتیں۔ جبلتوں کو ابھارنے والا کوئی اندرونی محرک نہیں ہوتا بلکہ یہ بیرونی مادّی حقیقت یا اُسی سے متعلق افکار اور ذہن کے ان افکار کے جبلت کے ساتھ تعلق بنانے پر ابھرتی ہیں۔ یہ اصول تمام جبلتوں پر صادق آتا ہے، خواہ وہ جبلتِ بقاء ہو یا جبلتِ تدین وغیرہ۔ جب کسی شخص کے سامنے کوئی ایسی مادّی حقیقت موجود ہو جس سے کوئی بھی جبلت بھڑکے، تو وہ شخص ہیجان کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر اس جبلت کی سیرابی کا تقاضا سر اٹھاتا ہے۔ پھر جب وہ بیرونی محرک یعنی وہ مادّی حقیقت جو سامنے موجود تھی، اگر اسے ہٹا دیا جائے، یا وہ شخص کسی اور اہم تر کام میں مشغول ہو جائے، تو پھر اُس جبلت کی سیرابی کا تقاضا بھی زائل ہو جاتا ہے اور اُس شخص کا ہیجان رفع ہو جاتا ہے اور وہ شخص مطمئن ہو جاتا ہے۔ جسمانی حاجت کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے کہ اگر ایک بار کوئی جسمانی حاجت اُبھرے، تو اُس کی سیرابی کا تقاضا اُس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک اُس حاجت کو سیراب نہ کر دیا جائے۔ اس بحث سے صراحتاً واضح ہو جاتا ہے کہ جبلتِ نوع کو پورا نہ کرنے کی صورت میں کسی قسم کے جسمانی، عقلی یا نفسیاتی مرض کا قطعاً اندیشہ نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ایک جبلت ہے نہ کہ جسمانی حاجت۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ فقط اتنا کہ جب کسی شخص کے سامنے اس جبلت کو بھڑکانے والی کوئی مادّی حقیقت ہو یا اس سے متعلق کوئی فکر ہو تو وہ شخص ہیجانی کیفیت میں آجاتا ہے اور اُس جبلت کی سیرابی چاہتا ہے، اور اگر اس جبلت کی تشفی یا سیرابی نہ کی جائے تو وہ شخص محض حسرت زدہ یا فکر مند ہو جاتا ہے۔ پھر اگر بار بار یہی ہو کہ جبلت بھڑکے اور اُس کی سیرابی کا تقاضا پورا نہ کیا جائے تو یہ بے چینی دکھ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب اُن محرکات کو ہٹا دیا جائے جو جبلت کو ہوا دیتے اور اسے بھڑکاتے ہوں، یا وہ شخص کسی ایسے مشغلے میں لگ جائے جو زیادہ اہم ہو، تو پھر بے چینی بھی رفع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جبلتِ نوع جب ایک بار اُبھرے اور اُس کو دبا دیا جائے تو اس سے دکھ اور بے چینی ہوتی ہے لیکن اگر اس جبلت کو نہ اُبھارا جائے تو نہ دکھ ہوتا ہے اور نہ ہی بے چینی۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ اس جبلت کو اُبھارا نہ جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ اس جبلت کو اُبھارنے اور ہوا دینے والے خارجی محرکات کو ایسی حالت میں جبلت پر اثر انداز ہونے سے روکا جائے جہاں اس جبلت کی سیرابی نہ ہو سکتی ہو۔

اس سے سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ نقطۂ نظر کی غلطی عیاں ہو جاتی ہے جو مرد اور عورت کے تعلق کے بارے میں معاشرے کی نظر کو اُن کے محض نر اور مادہ ہونے پر مرکوز کرتا ہے۔ جب اُن کے نقطۂ نظر کی غلطی عیاں ہو گئی تو نتیجتاً اُن کا پیش کردہ علاج اور حل کا غلطی پر ہونا بھی واضح ہو گیا کہ معاشرے میں اس جبلت کو اُبھارا جائے اور جس کے لئے اُن محرکات کو نمایاں کیا جائے جو اس جبلت کو بھڑکاتے ہوں جیسے مرد و عورت کا اختلاط، رقص و سرور، اور ایسے کھیل کود، لہو و لعب اور قصّے کہانیاں وغیرہ۔ مذکورہ بحث سے اسلام کے نقطۂ نظر کی صحت اور سچائی بھی عیاں ہو جاتی ہے جو مرد اور عورت کے حوالہ سے معاشرے کا نقطۂ نظر اُس مقصد پر مرکوز رکھتا ہے جس غرض سے یہ جبلت انسان میں رکھی گئی یعنی انسانی نسل کی بقاء کے مقصد سے۔ جب اسلام کے نقطۂ نظر کی صحت ثابت ہو گئی، تو اس کا پیش کردہ علاج بھی صحیح ثابت ہوا یعنی اس جبلت کے محرکات اور اُن کی مادّی اشکال نیز ان سے متعلق فکر کو ہر ایسی حالت میں روکا جائے جہاں اس جبلت کی سیرابی شریعت کے دائرے میں ممکن نہ ہو۔ شریعت نے اس جبلت کی سیرابی کو صرف نکاح اور لونڈیوں میں محصور و محدود کر دیا ہے۔ لہٰذا اسلام ہی وہ واحد صحیح اور جامع حل پیش کرتا ہے جو اس جبلت سے معاشرے اور افراد میں پیدا ہونے والے فساد کا مکمل علاج ہے جس کے نتیجے میں معاشرے اور افراد میں خیر اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔

فہرست

امام (خلیفہ) کی رائے اختلاف کو ختم کرتی ہے

بلال مہاجر—ولایہ پاکستان

رأي الإمام يرفع الخلاف، "امام کی رائے اختلاف کو ختم کرتی ہے"، یہ حکمرانی کے احکامات سے متعلق شرعی قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے جس کو خلافت کے انہدام کے بعد اسلام کو پاپائیت اور شخصی حکمرانی پر مبنی مذہب ظاہر کرنے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمانوں کی ثقافت اور تعلیمی نصاب سے غائب کر دیا گیا۔

اسی طرح کئی دیگر قواعد اور متعدد احکامات جو نظامِ حکمرانی اور اقتصادی نظام سے متعلق تھے، ان کو غائب کر دیا گیا، اور دیگر قواعد جیسے للإمام وحده حق تبني الأحكام، "صرف امام (خلیفہ) ہی احکامات کی تبنی کا حق رکھتا ہے" اور، فله أن يتبنى من الأحكام بقدر ما يستجد من الحوادث "وہ (خلیفہ) نئے مسائل کیلئے بقدرِ ضرورت احکامات تبنی کرتا ہے" اور، أمر الإمام نافذ ظاهراً وباطنا "امام (خلیفہ) کا حکم ظاہری طور پر اور باطنی طور پر نافذ ہوتا ہے"۔

ان قواعد کی اہمیت اور مسلمانوں کی زندگی پر ان کے اثر کی وسعت کو سمجھنا احکامِ شرعیہ کی فطرت اور اسلام میں سیاست کے مفہوم کو سمجھنے پر موقوف ہے۔

اسلام میں سیاست کے مفہوم کی طرف رجوع کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سیاست ان احکامِ شرعیہ کے ذریعے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کا نام ہے جن کو ریاست ایک تنفیذی ڈھانچے کی حیثیت سے نافذ کرتی ہے۔ امت صاحبِ اقتدار کے نصب اور شریعت کے نفاذ کی اصلاً ذمہ دار ہے اور اس ناطے سے وہ خلیفہ کی نگرانی اور احتساب کے ذریعے سیاست کرتی ہے جبکہ خلیفہ کو اس کام کی ذمہ داری امت ہی کی طرف سے سونپی جاتی ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل سے فیصلے کرو، اللہ تمہیں اس کی بہترین نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے" (سورۃ النساء: 58)، اور فرمایا: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ "جو اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکومت نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں" (سورۃ المائدہ: 44)۔

امامت کی یہ تعریف کی گئی ہے، حمل الكافة على مقتضى النظر الشرعي "شرعی نقطہ نظر کے تقاضے کے مطابق سب کی ذمہ داری اٹھانا"۔ سب لوگوں کا بوجھ اٹھانے کا مطلب ان شرعی احکامات کو قوانین بنانا، جو داخلی اور خارجی طور پر معاشرے کے تعلقات کو منظم کریں اور سب لوگوں کو ان احکامات کا پابند بنانا ہے۔ یوں سیاسی اسلام سے دستبردار ہو جانا بیشتر شرعی احکامات کو چھوڑ دینا ہے جن میں قطعی احکامات بھی شامل ہیں۔

شرعی احکامات کی طرف رجوع سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دو اقسام ہیں:

اول: وہ قطعی احکامات جو اپنی اسناد میں بھی قطعی ہیں (قطعی الثبوت) اور اپنے معانی میں بھی قطعی ہیں (قطعی الدلالہ)، لہٰذا قطعی دلائل سے ماخوذ ہیں اور فقہاء کے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں۔

دوم: وہ ظنی احکامات جن پر اجتہاد کیا جاتا ہے اور جن پر پچھلے اور موجودہ ادوار میں اختلاف رہا ہے اور یہ اختلاف ختم نہیں ہو سکتا۔ اجتہاد اور فکر سے تعلق رکھنے والے متعدد اسباب کی وجہ سے تمام مسلمانوں کا ان معاملات میں ایک رائے پر جمع ہو جانا محال ہے۔ اس میں اسلامی مذاہب برقرار رہیں گے اور متعدد ہونگے۔

چونکہ ریاست ایک تنفیذی ڈھانچہ ہے اور شرعی احکامات کے ذریعے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال اسی کی ذمہ داری ہے، اس لیے یہ لازم ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ کی تبنی کر کے ان کو دستور اور قوانین کی شکل دے تاکہ ریاست کی شکل اور اس کے ہر ادارے کے اختیار کا تعین ہو اور لوگوں کے حقوق و فرائض واضح ہوں تاکہ ان کے تعلقات کو منظم

کیا جاسکے اور تنازعات کو حل کیا جاسکے۔اس لیے ریاست بیک وقت چاروں مذاہب یعنی شافعی، حنفی، حنبلی اور مالکی پر قائم نہیں ہو سکتی ،ورنہ انارکی اور تنازعات جنم لیں گے،امت ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

لہٰذا ایک حکمرانی کے نظام کے طور پر خلافت احکامِ شرعیہ کی تبنی کا حق خلیفہ کو دیتی ہے۔امت کی وحدت،اس کی شیرازہ بندی اور دین کے ساتھ کھلواڑ کرنے والوں سے دین کی حفاظت کرنے کا یہ واحد طریقہ ہے۔ خلافت ہی مشرق سے مغرب تک تمام مسلمانوں کی عمومی قیادت ہے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿**إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ**﴾ **"بے شک تمہاری یہ امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں میری عبادت کرو"**(سورۃ الانبیاء:92)، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((إِذَا بُوِيعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فاقتُلوا الآخِرَ منهُما))** **"جب دو خلفاء کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے والے کو قتل کرو"**(مسلم)۔ خلافت کی عظمت اور مسلمانوں کی وحدت کو یقینی بنانے کا صرف یہی طریقہ ہے۔

لوگوں کے درمیان تنازعات اور اختلاف کو ختم کرنے کے لیے قانون کی مداخلت ضروری ہے، لوگوں کو ان کے اپنے فقہاء کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔اس کی مثال یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تنازعہ ہو جائے اور بیوی حنبلی عالم کے پاس جائے اور وہ طلاق ہونے اور رجوع نہ کرنے کا فیصلہ دے جبکہ شوہر ایک شافعی عالم کے پاس جائے اور وہ فیصلہ دے کہ رجوع کرو، تو اس اختلاف کو ختم کرنے کا خلیفہ کی تبنی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، لہٰذا خلیفہ کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے۔ یہ داخلی طور پر مسلمانوں کے تمام اختلافات اور خارجی طور پر دوسری اقوام کے ساتھ ان کے تعلقات پر لاگو ہوتا ہے۔

حزب التحریر کی طرف سے شائع کی گئی کتاب مقدمۃ الدستور میں درج ہے:

وأما القاعدة الرابعة وهي للخليفة وحده حق تبني الأحكام فقد ثبتت بإجماع الصحابة، على أن للخليفة وحده حق تبني الأحكام، ومن هذا الإجماع أخذت القواعد الشرعية المشهورة. (أمر الإمام يرفع الخلاف)، (أمر الإمام نافذ)، (للسلطان أن

یحدث من الأقضیة بقدر ما یحدث من مشکلات "جہاں تک چوتھے قاعدے کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ صرف خلیفہ ہی کو احکامات کی تبنی کا حق حاصل ہے، یہ اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے کہ صرف خلیفہ ہی کو احکامات کی تبنی کا حق حاصل ہے، اور اسی اجماع سے یہ مشہور قواعد اخذ کیے گئے، "امام کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے"، "امام کا حکم نافذ ہوتا ہے"، "سلطان پیدا ہونے والے مسائل کے بقدرِ ضرورت فیصلے صادر کر سکتا ہے"۔ دفعہ 36 کی تشریح میں درج ہے: "پیراگراف (ا) کی دلیل اجماعِ صحابہؓ ہے۔ یہ اس لیے کہ لفظ (قانون) ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا معنی ہے: وہ حکم جس کو سلطان لوگوں کو اس پر چلانے کے لیے صادر کرے، قانون کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے :"احکامات کا وہ مجموعہ جن پر سلطان اپنی رعایا کو ان کے باہمی تعلقات میں چلنے پر مجبور کرتا ہے"، یعنی جب سلطان کچھ متعین احکامات جاری کر دے تو یہ احکامات قانون بن جاتے ہیں اور لوگوں پر ان کی پابندی لازم ہو جاتی ہے۔ اگر سلطان ان کا حکم نہ دے تو یہ قانون نہیں بنیں گے اور لوگ ان کے پابند نہیں ہوں گے۔ مسلمان چونکہ شرعی احکامات پر چلتے ہیں، لہٰذا وہ اللہ کے اوامر اور نواہی پر چلتے ہیں، سلطان کے اوامر اور نواہی پر نہیں۔ لہٰذا وہ سلطان کے احکامات پر نہیں بلکہ شرعی احکامات پر عمل کرتے ہیں۔

تاہم ان شرعی احکامات میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف ہوا، بعض نے شرعی نصوص سے جو سمجھا، دوسروں نے ویسا نہیں سمجھا، ہر کوئی اپنی سمجھ پر چلتا تھا اور ہر ایک کا فہم اس کے حق میں اللہ کا حکم تھا، مگر کچھ ایسے احکامِ شرعیہ ہیں جن میں امت کے امور کی نگرانی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان ان میں ایک ہی رائے پر عمل کریں، ہر کوئی اپنے اجتہاد پر نہ عمل کرے، اور یہ درحقیقت ایسا ہی ہوا۔ ابو بکرؓ کی رائے تھی کہ مال کو رعایا کے درمیان برابری سے تقسیم کیا جائے کیونکہ یہ سب کا مساوی حق ہے۔ جبکہ عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ یہ درست نہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑا ہو (اور بعد میں مسلمان ہو گیا)، اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنے والے کے برابر دیا جائے اور فقیر اور غنی کو برابر دیا جائے، مگر جب ابو بکرؓ خلیفہ تھے تو انہوں نے اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم دیا یعنی مال کو برابر تقسیم کرنے کی رائے کی تبنی کی، تمام مسلمان اس مسئلے آپؓ کی رائے پر چلے، قاضی اور والی اسی پر عمل کرتے رہے، عمرؓ نے بھی اسی رائے کی تعمیل کی اور ابو بکرؓ کی رائے پر ہی عمل کیا اور اسی کو نافذ کیا۔ جب عمرؓ خلیفہ بن کر آئے تو ابو بکرؓ کی رائے کے

بر خلاف اپنی رائے کی تبنی کی، یعنی مال کی مساوی تقسیم کی بجائے ترجیحی تقسیم کی اپنی رائے کو نافذ کیا، لوگوں کی اسلام میں سبقت اور ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر مال دیا، مسلمانوں نے آپؓ کی پیروی کی، والیوں اور قاضیوں نے اسی پر عمل کیا۔ یوں صحابہؓ کرام کا اجماع تھا کہ خلیفہ اجتہاد کر کے شریعت سے ماخوذ متعین احکامات کی تبنی کر سکتا ہے اور مسلمانوں کو ان پر عمل کا حکم دے سکتا ہے۔ مسلمانوں پر خلیفہ کی اطاعت لازم ہے چاہے وہ ان کے اپنے اجتہاد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، ان کو اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر عمل ترک کرنا ہو گا۔ یہ تبنی شدہ احکامات ہی قوانین ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قوانین کے اجراء کا حق صرف خلیفہ کے پاس ہے، اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں"۔

چاروں مذاہب کے کئی فقہاء اور ان کے علاوہ دیگر مسلم فقہاء اور علماء نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ، خاص کر قضاء کے باب میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حکمران کا فیصلہ اختلاف کو ختم کرتا ہے، بلکہ مشہور مراجع میں سے فقہ کی کوئی کتاب اس ذکر سے خالی نہیں، اس وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس قاعدے کے اقرار میں علماء کے درمیان اجمالی اور ضوابط میں اتفاق ہے، اگرچہ کچھ مخصوص مسائل میں اس کو لاگو کرتے وقت ان کے اقوال میں اختلاف ہے۔

ان علماء میں سے کچھ اس حوالے سے عبادات کے مسائل اور معاملات کے مسائل میں فرق کرتے ہیں، کچھ یہ بات نہیں کرتے، لیکن وہ ان مسائل کے اجتہادی مسائل میں سے ہونے کی شرط پر متفق ہیں جن میں اختلاف جائز ہے۔

انہوں نے زیادہ تر اس قاعدے کو تنازعات کے ان مسائل میں استعمال کیا ہے جن کو عدالت میں لایا جاتا ہے؛ جیسے نکاح، رضاعت، طلاق، کثرتِ ازواج اور دیگر ذاتی معاملات، اور مختلف اقتصادی نوعیت کے معاملات کے مسائل جیسے تجارت، وقف، کاروباری ڈھانچے اور اجارہ سے متعلق، یا بعض دفعہ عبادات سے تعلق رکھنے والے مسائل جیسے نماز کے اوقات، رمضان کے مہینے کا آغاز اور حج کے مسائل وغیرہ۔ اس کی وضاحت یوں ہے:

اول: فقہ حنفی:

مثال کے طور پر فقہائے احناف نے اپنے اقوال میں اس قاعدے کا ذکر طلاق کی قَسَم اور اجرت سے متعلق مسائل میں کیا ہے کہ جب حاکم ان کے درمیان فیصلہ کرے گا تو ان کے اختلاف کو ختم کر دے گا۔ چنانچہ ابن عابدین کہتے ہیں:

وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّهُ لَا يُفْتِيهِ بِفَسْخِ الْيَمِينِ إذَا فَعَلَ صَاحِبُ الْحَادِثَةِ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، لِمَا عَلِمْت مِنْ أَنَّ الْجَاهِلَ يَلْزَمُهُ اتِّبَاعُ رَأْيِ الْقَاضِي وَالْمُفْتِي. عَلَى أَنَّ قَضَاءَ الْقَاضِي فِي مَحَلِّ الِاجْتِهَادِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ "مراد یہ نہیں کہ وہ (حاکم) یمین (طلاق) کو باطل کرنے کیلئے فتویٰ نہیں دے گا، اگر واقعے میں ملوث شخص نے ایسا ہی کیا ہو، جیسا کہ معلوم ہے کہ لاعلم (عامی) پر قاضی اور مفتی کی رائے کی پیروی لازم ہے، بات یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ محل اجتہاد میں اختلاف کو ختم کرتا ہے"[1]۔

ابن نجیم کے فتاوی میں ہے: وَلَا يَمْنَعُ قَبُولَهَا: أَيْ الزِّيَادَةِ حُكْمُ الْحَنْبَلِيِّ بِالصِّحَّةِ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ صَحِيحٍ، قَالَ فِي الْحَامِدِيَّةِ وَفِيهِ نَظَرٌ؛ لِأَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ "اس کو قبول کرنے سے نہیں روکا جائے گا؛ یعنی زیادہ ہونے کا حنبلی فیصلہ؛ کیونکہ یہ درست نہیں، انہوں (ابن نجیم) نے الحامدیہ میں کہا: یہ غور طلب ہے؛ کیونکہ حکمران کا فیصلہ اختلاف کو ختم کرتا ہے"[2]۔

الزیلعی نے کہا: فَحَاصِلُهُ أَنَّ الَّذِي قَضَى بِهِ الْأَوَّلُ لَا يَخْلُو مِنْ أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ: إمَّا أَنْ يَكُونَ مُوَافِقًا لِلدَّلِيلِ الشَّرْعِيِّ كَالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ ، فَلَا كَلَامَ فِيهِ ، وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مُخْتَلَفًا فِيهِ اخْتِلَافًا يَسْتَنِدُ كُلُّ وَاحِدٍ إلَى دَلِيلٍ شَرْعِيٍّ فَكَذَلِكَ حُكْمُهُ لَا يَتَعَرَّضُ لَهُ بِنَقْضٍ بَعْدَ مَا حَكَمَ بِهِ حَاكِمٌ مِثَالُهُ إذَا رَفَعَ إلَى حَاكِمٍ مِنْ أَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ الْيَمِينَ بِالطَّلَاقِ الْمُضَافِ فَأَبْطَلَ الْيَمِينَ نَفَذَ ، وَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ بِتَزَوُّجِهَا بَعْدَهُ "اس کا حاصل یہ ہے کہ جو فیصلہ پہلے کیا گیا وہ چار صورتوں سے خالی نہیں۔ اول: وہ شرعی دلیل کے موافق ہو گا؛ جیسے کتاب وسنت اور اجماع، اس میں کوئی دوسری رائے نہیں۔ دوئم: اس میں اختلاف ہو گا، ایسا اختلاف کہ ہر کوئی شرعی دلیل کا سہارا لے۔ اس کا حکم بھی اسی طرح حاکم کے فیصلہ کرنے کے بعد واپس نہیں کیا جا سکتا، اس کی مثال یہ ہے کہ جب طلاق کی قسم کا مسئلہ شافعی فقہ پر عمل کرنے والے حاکم کے پاس لے جایا جائے اور وہ قسم کو کالعدم قرار دے دے تو وہ حکم نافذ ہوتا ہے، وہ طلاق بعد میں اس سے شادی کرنے سے واقع نہیں ہو گی"[3]۔

احناف کے کلام سے مندرجہ ذیل تین امور اخذ ہوتے ہیں:

اول: وہ اس قاعدے کی تائید کرتے ہیں کہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے۔

دوم: وہ متفق علیہ مسائل اور اختلافی مسائل میں فرق کرتے ہیں، اور یہ اجتہادی مسائل میں ہوتا ہے۔

سوم: اس کا تعلق قضاء کے مسائل سے ہے جن میں دعویٰ صحیح ہو۔ اس سب کی طرف ابن عابدین نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا: قَضَاءَ الْقَاضِي فِي مَحَلِّ الِاجْتِهَادِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ "قاضی کا فیصلہ محل اجتہاد میں اختلاف کو ختم کرتا ہے"[4]۔

دوئم: فقہ مالکی میں:

اسی طرح مالکی فقہاء نے کسی بڑے کو دودھ پلانے کی حرمت کے ثبوت، حاکم کے فیصلے سے فسخ کے مسئلے اور طلاق بائن شدہ کے کسی چھوٹے کے ساتھ جماع کے مسئلے کا ذکر کیا جن کے بارے میں حاکم کا فیصلہ ہو، تو کیا اس فیصلے سے یہ حلال ہو گا؟

شرح الکبیر میں آیا ہے: وَلَيْسَ لَهُ بَعْدَ فَسْخِ النِّكَاحِ الْأَوَّلِ أَنْ يَرْفَعَ الْأَمْرَ لِمَنْ يَرَى أَنَّ رَضَاعَ الْكَبِيرِ لَا يُحَرِّمُ فَيَحْكُمَ بِصِحَّتِهِ؛ لِأَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ كَمَا مَرَّ "پہلے نکاح کے فسخ ہو جانے کے بعد وہ معاملہ ایسے شخص کے پاس نہیں لے جایا جا سکتا جو یہ سمجھتا ہو کہ کسی بڑے کو دودھ پلانا حرام نہیں اور وہ اس کے صحیح ہونے کا حکم دے؛ کیونکہ جیسے پہلے مذکور ہے کہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے"[5]۔

الدسوقی نے کہا: إذَا حَكَمَ الشَّافِعِيُّ بِحِلِّ مَبْتُوتَةِ مَالِكِيٍّ بِوَطْءِ صَغِيرٍ فَإِنَّ هَذَا الْحُكْمَ رَافِعٌ لِلْخِلَافِ - فَلَيْسَ لِلْقَاضِي الْمَالِكِيِّ نَقْضُهُ وَالْحُكْمُ بِعَدَمِ الْحِلِّ - وَمُحِلٌّ لِلْحَرَامِ عَلَى مَذْهَبِ الزَّوْجِ "اگر شافعی (قاضی) مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والی ایک طلاق بائن شدہ عورت کے کسی چھوٹے کے ساتھ جنسی تعلق کے حلال ہونے کا فیصلہ دے تو یہ حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے، پھر کوئی مالکی قاضی اس حکم کو ختم کر کے اس کے حلال نہ ہونے اور شوہر کے مسلک کے مطابق حرام ہونے کا فیصلہ نہیں دے سکتا"۔

جیسا کہ بعض نے لکھا اور دوسروں نے اس بنا پر اس کی مخالفت کی کہ یہ قائدہ معاملات کے باب کے ساتھ مخصوص ہے اور عبادات اس میں داخل نہیں۔

خلیل خرشی کی شرح مختصر میں آیا ہے: فَحَاصِلُهُ أَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ وَلَوْ كَانَ الْحُكْمُ بِطَرِيقِ اللُّزُومِ لِحُكْمٍ آخَرَ تَبَعًا، وَالْحَاصِلُ أَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ لَا يُدْخِلُ الْعِبَادَاتِ إلَّا تَبَعًا وَحَقَّقَهُ الْقَرَافِيُّ وَخَالَفَهُ تِلْمِيذُهُ ابْنُ رَاشِدٍ فَجَوَّزَ دُخُولَهُ فِيهَا "اس کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے، اگرچہ جاری کیا جانے والا حکم کسی دوسرے حکم کے لازم ہونے کے ذریعے اس کی اتباع میں ہو، حاصل یہ ہے کہ حاکم کا حکم سوائے اتباع کے، عبادات میں داخل نہیں، القرافی نے اس کی تائید کی اور ان کے شاگرد ابن راشد نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے حکم کی عبادات میں مداخلت کو جائز کہا"۔

القرافی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے، چاہے یہ تائید سے ہو یا معانی سے یا التزام سے[6]۔

اسی طرح اس کے لیے شرائط اور ضوابط کا ذکر کیا؛ چنانچہ الصوی کے حاشیے کے ساتھ الشرح الصغیر میں ہے: (وَرَفَعَ) حُكْمُ الْعَدْلِ الْعَالِمِ (الْخِلَافَ) الْوَاقِعَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ. وَكَذَا غَيْرُ الْعَدْلِ الْعَالِمِ إنْ حَكَمَ صَوَابًا - كَمَا يُعْلَمُ مِمَّا تَقَدَّمَ - فَإِنَّهُ يَرْفَعُ الْخِلَافَ وَلَا يُنْقَضُ، وَكَذَا الْمُحَكَّمُ. وَالْمُرَادُ: أَنَّهُ يَرْتَفِعُ الْخِلَافُ فِي خُصُوصِ مَا حَكَمَ بِهِ أَخْذًا مِنْ قَوْلِهِ الْآتِي وَلَا يَتَعَدَّى لِمُمَاثِلٍ "اور ایک عالم کا درست فیصلہ علماء کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کو رفع کر دیتا ہے، اسی طرح ایک عالم کا فیصلہ جو عدل نہ ہو لیکن جس کو درست کہا گیا ہو، جیسا کہ پہلے گزرے ہوئے سے معلوم ہے، کہ یہ اختلاف کو رفع کر دیتا ہے اور وہ دوبارہ نہیں آتا، اسی طرح حاکم کے فیصلے کیلئے بھی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس کے بارے میں فیصلہ دیا گیا ہے، یہ اس میں اختلاف کو رفع کرتا ہے؛ یہ اس مندرجہ ذیل قول سے اخذ کیا گیا ہے: اور جو متفق علیہ ہو اس سے تجاوز نہ کرو"[7]۔

اوراس میں مزید ذکر ہے: وَتَقَدَّمَ أَنَّ الْعَدْلَ الْعَالِمَ لَا تُتَعَقَّبُ أَحْكَامُهُ لَكِنْ إنْ ظَهَرَ مِنْهَا شَيْءٌ مِمَّا تَقَدَّمَ نُقِضَ. وَأَمَّا الْجَائِرُ وَالْجَاهِلُ فَتُتَعَقَّبُ أَحْكَامُهُمَا وَيُنْقَضُ مِنْهَا مَا لَيْسَ بِصَوَابٍ وَيَمْضِ مَا كَانَ صَوَابًا. وَالصَّوَابُ: مَا وَافَقَ قَوْلًا مَشْهُورًا أَوْ مُرَجَّحًا وَلَوْ كَانَ الْأَرْجَحُ خِلَافَهُ. (وَ) إذَا نُقِضَ (بَيَّنَ) النَّاقِضُ (السَّبَبَ) الَّذِي نَقَضَ الْحُكْمَ مِنْ أَجْلِهِ، لِئَلَّا يُنْسَبَ النَّاقِضُ لِلْجَوْرِ وَالْهَوَى بِنَقْضِهِ الْأَحْكَامَ الَّتِي حَكَمَ بِهَا الْقُضَاةُ ."ماضی کی مثالوں کے مطابق عالم کے فیصلے کی چھان بین نہیں کی جائے گی لیکن اگر اس میں مذکورہ بالا میں سے کچھ نظر آئے تو اس کا ازالہ کیا جائے گا، مگر جابر اور جاہل کے فیصلوں کی چھان بین کی جائے گی اور اس میں سے جو درست نہ ہو اس کو ختم کیا جائے گا، جو درست ہے، اس کو رہنے دیا جائے گا، اور درست وہ ہے جو مشہور یا راجح قول کے مطابق ہو اگرچہ زیادہ راجح اس کے برخلاف ہو، اور فیصلے کو جس سبب سے ختم کیا گیا ہو اس کو بیان کیا جائے تاکہ قاضیوں کی طرف سے کیے گئے فیصلے کو ختم کرنے کو ظلم اور خواہش نہ کہا جائے"۔

پھر یہ بیان کیا کہ حاکم کا حکم اس کی جانب سے صرف یہ کہہ دینے پر موقوف نہیں کہ: میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بارے میں کہا کہ جو بھی پابند کرنے پر دلالت کرے، وہ حکم ہے۔ جیسے حاکم کا یہ کہنا: میں نے اس سامان کی ملکیت زید کو منتقل کر دی یا میں نے اس مال کو اس کا دعویٰ کرنے والے کی ملکیت میں دیا، یہ تمام فیصلے ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ: میں نے نکاح یا بیع کے اس عقد کو فسخ کیا یا اس کو باطل اور رد کر دیا، یا اس کو برقرار رکھا وغیرہ، یہ فیصلے کے لیے دعوی دائر کرنے اور اقرار کے بعد نفی اور اثبات پر دلالت کرنے والے الفاظ یا گواہوں کے ثبوت، معذرت اور تزکیہ پر مبنی ہیں۔ یہی ان کے قول کا معنی ہے کہ: لَا بُدَّ لِلْحُكْمِ مِنْ تَقَدُّمِ دَعْوَى صَحِيحَةٍ، وَصِحَّتُهَا لِكَوْنِهَا تُقْبَلُ وَتُسْمَعُ وَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهَا مُقْتَضَاهَا مِنْ إقْرَارٍ أَوْ بَيِّنَةِ عُدُولٍ"فیصلہ کے لیے صحیح دعویٰ دائر کرنا لازمی ہے، اس کا صحیح ہونا اس کو قبول کرنا اور سننا ہے، اور اس کے اوپر وہ سب مرتب ہوتا ہے جس کا وہ دعویٰ تقاضا کرتا ہے، جیسے گواہی یا ثبوت وغیرہ"۔ یہ فیصلہ ہے چاہے وہ یہ الفاظ نہ کہے کہ میں نے فیصلہ کیا، جیسے وہ یہ کہے: پکڑو اس کو اور قتل کرو، یا: اس پر حد نافذ کرو، یا: اس پر تعزیر نافذ کرو۔ اسی طرح دائر کیے گئے دعوی میں "نہیں" کہنا؛ جیسے بغیر ولی کے خود

شادی کرنے والی عورت سے اور جمعہ کی آذان کے وقت خرید وفروخت میں کہنا: میں اس کی جازت نہیں دیتا، یہ فیصلہ نہیں اور نہ ہی اختلاف کو رفع کرے گا؛ کیونکہ یہ فتویٰ کے باب سے ہے، جیسا کہ ابن شاس نے کہا ہے، اور یہ دوسرے کے لیے حکم ہے جو اس کو اپنے مذہب سے سمجھے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کسی پوچھے گئے معاملے میں، جب اس سے سوال کرکے یہ کہا جائے کہ: کیا یہ جائز ہے؟ یا یہ کہا جائے کہ: یہ درست ہے یا نہیں؟ تو اس کا یہ کہنا کہ: میں فتوی دیتا ہوں، اور وہ جواب میں کہے: یہ درست ہے، یا: یہ درست نہیں، تو اس کا یہ فتویٰ اختلاف کو رفع نہیں کرے گا کیونکہ فتویٰ حکم کی خبر دینا ہے، اسے لازم کرنا نہیں۔ درست تو یہ ہے کہ حاکم کا یہ کہنا: میں اس کی اجازت نہیں دیتا، اگر دعویٰ دائر کرنے کے بعد ہو تو یہ حکم ہے اور اختلاف کو رفع کرتا ہے، اور اگر صرف خبر ہو جیسے ان سے کہا جائے کہ ایک عورت نے ولی کے بغیر خود شادی کرلی ہے تو وہ کہے: میں تو اس کی اجازت نہیں دیتا، تو یہ فتویٰ ہے اور لازم حکم نہیں۔ الخرشی کی عبارت اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ابنِ عرفہ نے کہا: مقتضى جعله فتوى أن لمن ولي بعده أن ينقضه "اس کو فتویٰ بنانے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد جس کے پاس اختیار ہو وہ اس کو ختم کرسکتا ہے"[8]۔

مالکی فقہاء کے کلام سے مندرجہ ذیل امور اخذ ہوتے ہیں:

اول: وہ بھی احناف کی طرح اس قاعدے کو معتبر سمجھتے ہیں۔

دوم: ان کا اس کے دائرہ کار میں اختلاف ہے کہ کیا عبادات اس میں شامل ہے یا یہ معاملات تک محدود ہے۔

سوم: وہ فتوی جاری کرنے اور حکم جاری کرنے میں فرق کرتے ہیں۔

چہارم: حاکم کا قول، فعل یا اقرار حکم میں شامل ہے۔

پنجم: ان کے نزدیک حکم کا کسی عادل سے صادر ہونا معتبر ہے، جابر سے نہیں۔ جابر کے فیصلوں کی چھان بین کی جائے گی اور اگر حق کے خلاف ہو تو اس متعین مسئلے میں اس کو ختم کیا جائے گا جس کے بارے میں فیصلہ دیا ہو۔

ششم: جو کچھ ذکر کیا گیا، اس کا تعلق قضاء کے باب سے ہے، جیسا کہ اپنے قول میں اس کو بیان کیا: لَا بُدَّ لِلْحُكْمِ مِنْ تَقَدُّمِ دَعْوَى صَحِيحَةٍ، وَصِحَّتُهَا لِكَوْنِهَا تُقْبَلُ وَتُسْمَعُ وَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهَا مُقْتَضَاهَا مِنْ إِقْرَارٍ أَوْ بَيِّنَةِ عُدُولٍ "فیصلہ کے لیے صحیح دعوی دائر کرنا لازمی ہے، اس کا صحیح ہونا اس کو قبول کرنا اور سننا ہے، اور اس کے اوپر وہ سب مرتب ہوتا ہے جس کا وہ دعویٰ تقاضا کرتا ہے، جیسے گواہی یا ثبوت وغیرہ"۔

تیسرا: شافعی فقہ میں:

اسی طرح شافعی فقہاء نے اپنے کلام میں حاکم کے نزدیک رمضان کے شروع ہونے کے ثبوت اور اس کے بارے میں اس کے حکم، جمعہ کی نماز کے وقت کو آگے پیچھے کرنے، اور ولی یا گواہوں کے فاسق ہونے کی صورت میں نکاح کے درست ہونے سے متعلق حکمران کے فیصلے کے بارے اس کا ذکر کیا ہے۔

تحفۃ المحتاج میں کہا ہے: مُرَادَهُ حُكْمٌ بِقَرِينَةِ اسْتِشْهَادِهِ بِكَلَامِ الْمَجْمُوعِ؛ لِأَنَّ الثُّبُوتَ لَيْسَ بِحُكْمٍ وَالْحُكْمُ هُوَ الَّذِي يَرْفَعُ الْخِلَافَ لَكِنْ يَتَرَدَّدُ النَّظَرُ هَلْ يَكْفِي قَوْلُهُ حَكَمْت بِأَنَّ أَوَّلَ رَمَضَانَ يَوْمُ كَذَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حُكْمًا حَقِيقِيًّا كَمَا تَقَدَّمَ فِي كَلَامِ الشَّارِحِ أَوْ لَا بُدَّ مِنْ حُكْمٍ حَقِيقِيٍّ كَأَنْ تَرَتَّبَ عَلَيْهِ حَقُّ آدَمِيٍّ مَحَلُّ تَأَمُّلٍ ثُمَّ مَحَلُّ مَا ذُكِرَ حَيْثُ صَدَرَ الْحُكْمُ مِنْ مُتَأَهِّلٍ أَوْ غَيْرِ مُتَأَهِّلٍ نَصَبَهُ الْإِمَامُ عَالِمًا بِحَالِهِ "اس سے مراد ہے کہ یہ حکم مجمع کے کلام سے ملنے والی گواہی کے قرینے سے ہے؛ کیونکہ ثبوت بذاتِ خود حکم نہیں، حکم وہ ہے جو اختلاف کو رفع کرتا ہے، مگر اس میں بار بار نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ کیا حاکم کا یہ قول کافی ہے: میں فیصلہ دیتا ہوں کہ پہلا رمضان فلاں دن ہے، یعنی کیا یہ حقیقت میں حکم ہے یا نہیں، جیسا کہ شارح کے کلام میں گزر گیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی انسان کے حق پر فیصلہ کیا جائے اور اس فیصلے کا موقع و محل ہو جس کا ذکر حکم کے صادر ہونے کے حوالے سے ہوا ہو کہ فیصلے دینے والا اہل ہے یا نا اہل ہے، جسے امام نے ایک عالم کے طور پر مقرر کیا ہو"[9]۔

تحفۃ المحتاج میں یہ بھی ہے: وَقَوْلُهُمْ حُكْمُ الْحَاكِمِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ مَعْنَاهُ أَنَّهُ يَمْنَعُ النَّقْضَ بِشَرْطِهِ اصْطِلَاحًا لَا غَيْرُ وَإِلَّا فَلِشَافِعِيٍّ وَقَفَ عَلَى نَفْسِهِ بَيْعُ الْوَقْفِ، وَإِنْ حَكَمَ بِهِ

حَنَفِيٌّ "ان کا یہ قول کہ حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اصطلاحی شرط کے ساتھ اس کے پلٹنے کو ختم کرتا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ورنہ شافعی مسلک والا وقف (املاک) کو بیچنے کی اپنی رائے پر قائم رہے گا، چاہے اس پر فیصلہ حنفی مذہب ہی کے مطابق کیوں نہ ہو"[10]۔

تحفۃ المحتاج میں یہ بھی ہے: (وَلِصِحَّتِهَا مَعَ شَرْطٍ) أَيْ شُرُوطٍ (غَيْرِهَا) مِنْ الْخَمْسِ (شُرُوطٍ خَمْسَةٌ (أَحَدُهَا وَقْتُ الظُّهْرِ) (قَوْلُهُ: وَلَوْ أَمَرَ الْإِمَامُ بِالْمُبَادَرَةِ إلَخْ) كَانَ الْمُرَادُ بِالْمُبَادَرَةِ فِعْلُهَا قَبْلَ الزَّوَالِ وَبِعَدَمِهَا تَأْخِيرُهَا إلَى وَقْتِ الْعَصْرِ كَمَا قَالَ بِكُلٍّ مِنْهُمَا بَعْضُ الْأَئِمَّةِ وَلَا بُعْدَ فِيهِ، وَإِنْ لَمْ يُقَلِّدْ الْمُصَلِّي الْقَائِلَ بِذَلِكَ لِمَا سَيَأْتِي أَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا... وَلَا بُعْدَ فِيهِ إلَخْ فِيهِ وَقْفَةٌ ظَاهِرَةٌ فَإِنَّهُمْ صَرَّحُوا بِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِلْإِمَامِ أَنْ يَدْعُوَ النَّاسَ إلَى مَذْهَبِهِ وَأَنْ يَتَعَرَّضَ بِأَوْقَاتِ صَلَوَاتِ النَّاسِ وَبِأَنَّهُ إنَّمَا يَجِبُ امْتِثَالُ أَمْرِ الْإِمَامِ بَاطِنًا إذَا أَمَرَ بِهَا أَوْ عَدَمِهَا فَالْقِيَاسُ وُجُوبُ امْتِثَالِهِ "اور اس (نماز جمعہ) کا درست ہونا مشروط ہے، یعنی اس کے لیے شروط ہیں، اس کے علاوہ، یعنی یہ پانچ شرائط میں سے ہے، جن میں سے ایک ظہر کا وقت ہے، ان کا یہ قول: اگر امام پیش رفت کا حکم دے۔۔۔، اس سے مراد زوال سے پہلے پیش رفت کرنا ہے، اور اس کو عصر کے وقت تک موخر نہ کرنا؛ جیسا کہ بعض آئمہ نے ان دونوں کی بات کی جس میں کوئی شک نہیں، اگر نماز پڑھانے والا اس کی تقلید نہ کرے تو پھر حاکم کا حکم اختلاف کو ظاہری اور باطنی طور پر رفع کرتا ہے۔۔۔ اور ان کا قول: اس میں شک نہیں، یہ قابل غور ہے کیونکہ انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ امام کے لیے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دینا اور لوگوں کی نماز کے اوقات میں رکاوٹ ڈالنا جائز نہیں، چونکہ امام کے امر کی باطنی طور پر پیروی واجب ہے جب وہ اس کا حکم کرے یا اس سے روکے، لہٰذا قیاس اس کے حکم کی پیروی کے واجب ہونے کا ہے"[11]۔

الجمل کے حاشیے میں آیا ہے کہ: وَأَمَّا الْقَاضِي فَيَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا إذَا عَلِمَ بِذَلِكَ، وَالْأَصْلُ فِي الْعُقُودِ الصِّحَّةُ، فَلَا يَجُوزُ الِاعْتِرَاضُ فِي نِكَاحٍ وَلَا غَيْرِهِ عَلَى مَنْ اسْتَنَدَ فِي فِعْلِهِ إلَى عَقْدٍ مَا لَمْ يَثْبُتْ فَسَادُهُ بِطَرِيقِهِ وَهَذَا كُلُّهُ حَيْثُ لَمْ يَحْكُمْ حَاكِمٌ بِصِحَّةِ النِّكَاحِ الْأَوَّلِ مِمَّنْ يَرَى صِحَّتَهُ مَعَ فِسْقِ الْوَلِيِّ وَالشُّهُودِ، أَمَّا إذَا حَكَمَ بِهِ حَاكِمٌ فَلَا يَجُوزُ لَهُ الْعَمَلُ بِخِلَافِهِ لَا ظَاهِرًا وَلَا بَاطِنًا لِمَا هُوَ مُقَرَّرٌ أَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ، وَلَا فَرْقَ

فِيمَا ذُكِرَ بَيْنَ أَنْ يَسْبِقَ مِنْ الزَّوْجِ تَقْلِيدٌ لِغَيْرِ إمَامِنَا الشَّافِعِيِّ مِمَّنْ يَرَى صِحَّةَ النِّكَاحِ مَعَ فِسْقِ الشَّاهِدِ وَالْوَلِيِّ أَمْ لَا "جہاں تک قاضی کی بات ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان فرق کرے۔ عقود میں اصل درست ہونا ہے، اس لیے نکاح وغیرہ میں اس پر اعتراض درست نہیں جس نے اپنے فعل میں ایسے عقد پر سہارا کیا ہو جس کا فاسد ہونا ثابت نہ ہو۔ یہ سب درست ہے اگرچہ حاکم نے اس شخص کے پہلے نکاح کے درست ہونے کا حکم نہ دیا ہو جو ولی یا گواہوں کے فاسق ہونے کے باوجود نکاح کو درست سمجھتا ہو۔ ہاں جب وہ حاکم اس کا حکم دے تب اس شخص کیلئے اس کے برخلاف عمل کرنا جائز نہیں، نہ ہی ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر؛ کیونکہ یہ بات حتمی ہے کہ حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ شوہر ہمارے شافعی علماء کی بجائے کسی اور ایسے شخص کا مقلد ہو جو ولی یا گواہ کے فاسق ہونے کے باوجود نکاح کو درست سمجھتا ہو یا نہیں"[12]۔

اور البجیرمی کے حاشیے میں ہے: وَصَرَّحَ الْأَصْحَابُ بِأَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ فِي الْمَسَائِلِ الْخِلَافِيَّةِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ وَيَصِيرُ الْأَمْرُ مُتَّفَقًا عَلَيْهِ. وَقَوْلُهُ: " بِأَنْ حَكَمَ الْحَاكِم " لَوْ حَاكِمَ ضَرُورَةٍ، وَمَحَلُّ ذَلِكَ كُلِّهِ حَيْثُ صَدَرَ حُكْمٌ صَحِيحٌ مَبْنِيٌّ عَلَى دَعْوَى وَجَوَابٍ "صحابہ کرامؓ نے وضاحت کی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے، جس پر معاملہ متفق علیہ ہو جاتا ہے، اور ان (امام الخطیب) کا یہ قول: 'حاکم کا حکم'، یعنی اگر حاکم کیلئے یہ حکم دینا ضروری ہو، یہ سب اس لیے کہ وہ درست فیصلہ جاری کرتا ہے جو دعویٰ اور اس کے جواب پر مبنی ہو"[13]۔

یوں شوافع کے کلام سے یہ امور اخذ ہوتے ہیں:

اول: وہ اس قاعدے کی تائید کرتے ہیں۔

دوم: وہ اس قاعدے کا معنی اور اس کے نفاذ سے جو کچھ مرتب ہوتا ہے اسے واضح کرتے ہیں جو یہ ہے کہ اس سے اختلاف رفع ہو کر معاملہ متفق علیہ ہو جاتا ہے، اور اس حکم کے خلاف عمل جائز نہیں، نہ ہی ظاہری طور پر اور نہ ہی باطنی طور پر، اور یہ کہ قاضی کا فیصلہ اس کی شرط کے ساتھ ختم نہیں کیا جا سکتا[14]۔

سوم: اس قاعدے کا نفاذ قضاء (عدالت) میں پیش ہونے والے اختلافی مسائل (تنازعات) کے ساتھ مخصوص ہے، ان کا قول یہ ہے: "اس کا موقع و محل یہ ہے کہ دعویٰ اور اس کے جواب پر مبنی درست حکم صادر ہو"، اور ان کا قول: "ورنہ شافعی مذہب والا وقف کو فروخت کرنے کیلئے اپنی رائے پر رہے گا، چاہے فیصلہ حنفی مذہب کے مطابق دیا گیا ہو"۔

چہارم: ان کا اختلاف صادر ہونے والے حکم کی صفت کے بارے میں ہے؛ کیا اس کا یہ کہنا کافی ہے: میں نے فیصلہ دیا ہے کہ فلاں دن رمضان کا پہلا دن ہے، اگر حکم حقیقی نہ ہو یا حقیقی حکم لازمی ہے جیسے کسی انسان کے حق سے متعلق ہو۔

پنجم: وہ حکم کے اس سے صادر ہونے کا اعتبار کرتے ہیں جو اس کا اہل ہو، جیسے ان کا یہ کہنا: جہاں فیصلہ کسی اہل یا نااہل نے صادر کیا ہو جس کا تقرر امام نے اس کی حالت سے باخبر ہونے کے باوجود کیا ہو[15]۔

ششم: قاعدے میں معاہدات، شخصی احوال اور معاملات کی طرح عبادات بھی شامل ہیں۔

ہفتم: وہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ امام کے لیے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دینا جائز نہیں۔

چوتھا: حنبلی فقہ:

اسی طرح حنبلی فقہاء نے اپنے کلام میں بغیر ولی کے نکاح، نفقہ، شفعہ (right of pre-emption) اور ہمسائیگی کے بعض مسائل میں اس قاعدے کا ذکر کیا ہے۔

مرعی بن یوسف نے کہا ہے کہ: وحكم الحاكم يرفع الخلاف؛ لكن لا يزيل الشيء عن صفته باطنًا، فمتى حكم له ببينةِ زورٍ بزوجيةِ امرأةٍ ووَطِئَ مع العلم؛ فكالزنا، وإن باع حنبلي متروك التسمية فحكم بصحته شافعي نفذ. ومن قلد في صحة نكاح صح، ولم يفارق بتغير اجتهاده كالحاكم بذلك "حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے؛ مگر اس سے کوئی چیز باطنی طور اپنی صفت سے الگ نہیں ہوتی، جب کسی عورت کی زوجیت کا حکم جھوٹی گواہی کی بنیاد پر دیا جائے اور علم کے باوجود اس

کے ساتھ جنسی تعلق قائم کیا جائے تو یہ زنا کی طرح ہے، اور اگر حنبلی بے نام فروخت کرے اور شافعی اس کے درست ہونے کا فیصلہ دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہے۔ جس نے درست نکاح کے درست ہونے میں تقلید کی اور اپنے اجتہاد کے مختلف ہونے کی بنا پر جدائی اختیار نہ کی، وہ اس میں حاکم کی طرح ہے"[16]۔

اور الرحیبانی نے المطالب میں کہا ہے کہ: (وَعَقْدِ نِكَاحٍ بِلَا وَلِيٍّ) حَيْثُ رَآهُ وَفَسْخِ لَعْنَةٍ وَعَيْبٍ؛ فَهُوَ حُكْمٌ يَرْفَعُ الْخِلَافَ إنْ كَانَ. قَالَ فِي " الْمُغْنِي " وَغَيْرِهِ فِي بَيْعِ مَا فُتِحَ عَنْوَةً: إنْ بَاعَهُ الْإِمَامُ لِمَصْلَحَةٍ رَآهَا صَحَّ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْإِمَامِ كَحُكْمِ الْحَاكِمِ، وَفِيهِ أَيْضًا لَا شُفْعَةَ فِيهَا إلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِبَيْعِهِ حَاكِمٌ أَوْ يَفْعَلُهُ الْإِمَامُ أَوْ نَائِبُهُ، وَفِيهِ أَيْضًا أَنَّ مَا فَعَلَهُ الْأَئِمَّةُ لَيْسَ لِأَحَدٍ نَقْضُهُ"(بغیر ولی کے نکاح کا عقد) جو اس کے نزدیک فسخ شدہ، لعنت والا اور عیب والا ہے؛ یہ فیصلہ ہے جو اختلاف کو رفع کرتا ہے، اگر اختلاف موجود تھا۔ 'المغنی' میں اور دیگر نے اس کو فروخت کرنے کے حوالے سے بیان کیا جو قوت سے حاصل ہوئی: اگر امام اس کو اپنی صوابدید کے مطابق فائدے میں سمجھے تو درست ہے؛ کیونکہ امام کا عمل حاکم کے فیصلے کی طرح ہے اس میں شفعہ (right of pre-emption) بھی نہیں سوائے یہ کہ اس کو فروخت کرنے کا حکم حاکم نے دیا ہو یا یہ کام امام یا اس کا نائب کر رہا ہو، اس میں یہ بات بھی ہے کہ جس کا فیصلہ حکمران کرے اس کو کوئی ختم نہیں کر سکتا"[17]۔

اس میں یہ بھی ہے: (فَإِطْلَاقُهُ) أَيْ الْمَحْبُوسِ أَوْ إذْنُهُ أَيْ: الْقَاضِي (وَلَوْ فِي قَضَاءِ دَيْنٍ وَفِي نَفَقَةٍ لِيَرْجِعَ) قَاضِي الدَّيْنِ وَالْمُنْفِقُ حُكْمٌ ، (وَقُرْعَتُهُ) فِي أَيْ مَوْضِعٍ شُرِعَتْ فِيهِ (حُكِمَ بِرَفْعِ الْخِلَافِ إنْ كَانَ) فِي الْمَسْأَلَةِ خِلَافٌ لِصُدُورِهِ عَنْ رَأْيِهِ وَاجْتِهَادِهِ كَمَا لَوْ صَرَّحَ بِالْحُكْمِ "اس کو آزاد کرانا یعنی ضبط کی گئی ملکیت کو یا اس کو اجازت دینا یعنی: قاضی کو، چاہے معاملہ قرض کی ادائیگی یا نفقہ کو لوٹانے کا ہو جو اسے ادا کرنا ہے، یعنی اسے جس نے قرض ادا کرنا ہو اور جس نے نفقہ دینا ہو، اس کی ذمہ داری ان تمام معاملات میں ہے جو قانونی ہیں، 'اس میں فیصلہ ہی اختلاف کو رفع کرنے والا حکم ہے'، اگر اس میں اختلاف موجود ہو۔ قاضی یہ اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق کرے گا جیسا کہ حکم میں صریح ہو"[18]۔

اور منصور البھوتی کہتے ہیں: إذْنُهُ أَيْ: الْقَاضِي (وَلَوْ فِي قَضَاءِ دَيْنٍ وَفِي نَفَقَةٍ لِيَرْجِعَ) قَاضِي الدَّيْنِ وَالْمُنْفِقُ حُكْمٌ "قاضی کی اجازت، چاہے قرض کی ادائیگی کے بارے میں ہو یا نفقہ کو واپس کرنے کے بارے میں، اس پر عمل لازم ہے، یعنی قرض کو ادا کرنے والا اور نفقہ ادا کرنے والا، ایک حکم ہے"[20]۔

البھوتی ہمسائیگی کے بارے میں کہتے ہیں: (وَ) إذْنُهُ فِي (وَضْعِ مِيزَابٍ وَ) وَضْعِ (بِنَاءٍ) مِنْ جَنَاحٍ وَسَابَاطٍ بِدَرْبٍ نَافِذٍ بِلَا ضَرَرٍ حُكْمٌ، فَيُمْنَعُ الضَّمَانُ ; لِأَنَّهُ كَإِذْنِ الْجَمِيعِ، (وَ) إذْنُهُ (فِي غَيْرِهِ) كَوَضْعِ خَشَبٍ عَلَى جِدَارِ جَارٍ بِشَرْطِهِ حُكْمٌ، (وَأَمْرُهُ) أَيْ الْقَاضِي (بِإِرَاقَةِ نَبِيذٍ) حُكْمٌ ذَكَرَهُ فِي الْأَحْكَامِ السُّلْطَانِيَّةِ فِي الْمُحْتَسِبِ، (وَقُرْعَتُهُ) أَيْ الْقَاضِي (حُكْمٌ يَرْفَعُ الْخِلَافَ إنْ كَانَ) ثَمَّ خِلَافٌ، وَذَكَرَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّينِ أَنَّهُ لَوْ أَذِنَ أَوْ حَكَمَ لِأَحَدٍ بِاسْتِحْقَاقِ عَقْدٍ أَوْ فَسْخٍ فَعَقَدَ أَوْ فَسَخَ لَمْ يَحْتَجْ بَعْدَ ذَلِكَ إلَى حُكْمِهِ بِصِحَّتِهِ بِلَا نِزَاعٍ، "اور پرنالہ لگانے اور پہلو میں عمارت بنانے کی قاضی کی اجازت ضرر پہنچائے بغیر نافذ کرنا حکم ہے۔ ضمانت ممنوع ہے کیونکہ یہ گویا سب کے لیے اجازت ہے، دوسرے کے بارے میں اس کی اجازت جیسے پڑوسی کی دیوار پر اس کی شرط کے ساتھ لکڑی لگانے کا فیصلہ۔ اس کے حکم کا مطلب ہے قاضی کا حکم۔ شراب کو بہا دینے کے بارے میں ایسا حکم ہے جس کا ذکر الاحکام السلطانیہ میں محتسب کے باب میں ہے، 'اس کی ذمہ داری' یعنی قاضی کی۔ 'قاضی کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے' اگر کوئی اختلاف موجود ہو[19]۔ شیخ تقی الدین النبھانی نے ذکر کیا ہے کہ اگر قاضی نے کسی کے عقد کے درست ہونے کے حق میں یا فسخ میں کوئی فیصلہ دے دیا تو پھر وہ عقد درست یا فاسخ ہے اس کے بعد بلا اختلاف اس کی درستگی کے بارے میں کسی فیصلے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

البھوتی نے مزید کہا: (وَكَذَا نَوْعٌ مِنْ فِعْلِهِ) أَيْ الْحَاكِمِ (كَتَزْوِيجِهِ يَتِيمَةً) بِالْوِلَايَةِ الْعَامَّةِ (وَشِرَاءِ عَيْنٍ غَائِبَةٍ) مَوْصُوفَةٍ بِمَا يَكْفِي فِي سَلَمٍ لِقَضَاءِ دَيْنِ غَائِبٍ وَمُمْتَنِعٍ "اسی طرح اس کے کچھ افعال ہیں یعنی حاکم کے کچھ افعال ہیں جیسے عام ولایت سے کسی یتیم لڑکی کی شادی اور ایک ایسی غائب عین کی خریداری، جس کی صفت معلوم ہو، جو ایک غائب اور پرہیز کرنے والے قرضے کی ادائیگی کے لیے کافی ہو"[19]۔

اور حنبلی علماء کے کلام سے یہ امور اخذ کیے جاتے ہیں:

اول: وہ اس قاعدے کی تائید کرتے ہیں؛ کہ حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے اگر کوئی اختلاف موجود ہو اور یہ اجتہادی مسائل میں ہے۔

دوم: یہ حکم کسی چیز کی باطنی صفت کو زائل نہیں کرتا یعنی یہ حقیقت میں کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال نہیں کرتا۔

سوم: امام کا فعل حاکم کے حکم کی طرح ہے، کوئی اس کے فیصلے کو ختم نہیں کر سکتا[20]۔

چہارم: امام کا نائب امام کا قائم مقام ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مقولہ "حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے" چاروں مذاہب کے اماموں اور فقہائے شریعت اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک متفق علیہ قاعدہ ہے، اور یہ اجتہادی مسائل کے ساتھ مخصوص ہے۔

اے مسلمانو: تمھارے معاملات یکجا ہو جائیں گے، تمھاری شیرازہ بندی ہو جائے گی، تمھارے مظلوموں کی مدد ہو جائے گی، تمھارا دین اور عبادات محفوظ ہو جائیں گے اور تمھاری عزتیں تحفظ حاصل کر لیں گی، تمھارے تنازعات حل ہو جائیں گے، لیکن یہ صرف اور صرف تمھاری خلافت اور تمھارے خلیفہ ہی کے ذریعے ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الإمام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به» "صرف خلیفہ ہی ڈھال ہے جس کے پیچھے لڑا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے حفاظت ہوتی ہے"** (بخاری)۔ اس لیے عادل امام ہر ٹیڑھے کو سیدھا کرنے والا، ہر فساد کی اصلاح کرنے والا، ہر ظلم کو روکنے والا اور ہر مظلوم کی مدد کرنے والا ہوتا ہے۔

اس لیے اسلام کی ریاست کو قائم کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ، نبوت کے نقش قدم پر دوسری خلافت راشدہ کے قیام کے لیے، جو تمہارے دین، تمہارے خون اور تمہاری آبرو کی محافظ ہے، تمہارے علاقوں کو وحدت بخشنے والی، تمہاری عزت اور شرف کی باعث ہے۔ لہٰذا محنت کرنے والوں کو اس جیسے کام کے لیے محنت کرنی چاہیے۔

حوالہ جات:

[1]الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (347/3).

[2]مذکورہ بالا(27/6).

[3]تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي(189/4).

[4]رد المحتار على الدر المختار(347/3).

[5]الشرح الكبير، للشيخ الدردير وحاشية الدسوقي (158/4).

[6]شرح مختصر خليل للخرشي(75/2).

[7]حاشية الصاوي على الشرح الصغير = بلغة السالك لأقرب المسالك(221/4).

[8]مذکورہ بالا(227/4).

[9]تحفة المحتاج في شرح المنهاج وحواشي الشرواني والعبادي (383/3).

[10]مذکورہ بالا(239/7).

[11]مذکورہ بالا(419/2).

[12]حاشية الجمل على شرح المنهج = فتوحات الوهاب بتوضيح شرح منهج الطلاب(142/4).

[13]حاشية البجيرمي على الخطيب - تحفة الحبيب على شرح الخطيب(248/3).

[14]تنبیہ: الفقه على المذهب الاربعه(501/1)میں آیاہے:"کیاروزے کیلئے حاکم کے حکم کی شرط ہے؟ہلال کے ثبوت اور روزے کے فرض ہونے کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس میں لوگوں سے حاکم کے حکم کا تقاضا کیا

جائے، ہاں اگر وہ اپنے مذہب کے مطابق کسی بھی طریقے سے رویت کے ثبوت کا حکم دے تو سارے مسلمانوں پر روزہ فرض ہو جاتا ہے چاہے یہ بعض مسلمانوں کے مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حاکم کا حکم اختلاف کو رفع کرتا ہے یہ شوافع کے علاوہ باقی کے نزدیک متفق علیہ ہے"۔

[15]اور یہ علماء کے نزدیک فیصلہ کرنے کے حق کے موافق ہونے سے مقید ہے اس لیے یہ اختلاف کو رفع کرتا ہے چاہے یہ حکم ایسے نااہل شخص سے صادر ہو جس کا تقرر امام نے کیا ہو۔

[16]دليل الطالب لنيل المطالب،ص348.

[17]مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهى(486/6).

[18]مذکورہ بالا۔

[19]شرح منتهى الإرادات، دقائق أولي النهى لشرح المنتهى(503/3).

[20]اس پر حنفی فقہاء نے بھی یہی کہا ہے، حاشیۃ میں ابن عابدین نے الدر المختار کے بارے میں کہا ہے (5/ 423)"ان کا قول: (قاضی کا عمل حکم ہے) یہ فروعات اور استثناء کی طرح پر لاگو ہوتا ہے۔ اسی طرح قضاء کی پہلی کتاب البحر میں مذکور ہے: قاضی کا فعل دو قسم کا ہے"،مزید دیکھیے: معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من أحكام (37/1).

فہرست

وہ تمام لوگ جو امریکی غلامی سے نجات کی خواہش رکھتے ہیں، انہیں لازماً نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنی چاہیے

حزب التحریر ولایہ پاکستان

پورے ملک میں، عوام الناس سے لے کر اہلِ قوت تک میں، ملکی حالات پر بحث چھڑی ہوئی ہے؛ یہ بحث امریکی ڈالر کے مقابلے میں روپے کی گرتی ہوئی قدر اور امریکی ڈرون طیاروں کے پاکستان کی فضائی حدود کو استعمال کرنے سے بڑھ کر اس نکتے پر پہنچ گئی ہے کہ آخر پاکستان حقیقی معنوں میں آزاد کیسے ہوگا۔ پاکستان کی سیاسی و فوجی قیادت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی بنیاد پر حکمرانی نہیں کرتی، اور اب اِس قیادت کی جانب سے پیش کیے جانے والے بہانے اور دعوے بے نقاب ہو چکے ہیں۔ سات دہائیوں سے یہ قیادت کہتی آئی ہے کہ امریکیوں کی اطاعت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کیونکہ امریکی ڈالروں کے بغیر ہماری بقا ممکن نہیں۔ اس بہانے کے تحت اس قیادت نے 2001ء میں افغانستان پر قبضے میں امریکہ کی مدد کی، 2003 میں امریکی حکم پر کشمیر سے دستبرداری اختیار کرلی، یہاں تک کہ اگست 2019ء میں مقبوضہ کشمیر کو مکمل طور پر مودی کی جھولی میں ڈال دیا۔ پچھلے کئی سالوں سے اس قیادت نے امریکی ڈرون طیاروں کو پاکستان کی فضائی حدود کو استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، جس کے نتیجے میں امریکہ ہماری حساس تنصیبات کی جاسوسی کر سکتا ہے اور ڈیورنڈ لائن کے دونوں جانب عدم استحکام پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ ہماری صورتحال تسلسل سے خراب تر ہوتی جارہی ہے جبکہ یہ قیادت اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ ہمارے پاس ان پالیسیوں کے نفاذ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

ڈالروں پر ہمارے اس قدر انحصار کی بنیادی وجہ درحقیقت پاکستان کی یہی قیادت ہے۔ اس قیادت نے بھاری صنعتوں کو فروغ نہیں دیا کہ ہم خود اپنی مشینری اور انجن بنا سکیں اور ہمیں مہنگی درآمدات کی ضرورت ہی نہ رہے۔ یہ

قیادت خلافت قائم نہیں کرتی کہ جو توانائی کے ذخائر سے مالا مال مسلم علاقوں کو یکجا کر دے، یوں ہمیں مہنگی توانائی کے وسائل درآمد ہی نہ کرنے پڑیں۔ یہ قیادت ہماری کرنسی اور تجارت کو ڈالر سے منسلک کرتی ہے جبکہ اسے اسلام کے حکم کے مطابق سونے اور چاندی سے منسلک ہونا چاہیے۔ **اس طرح یہ قیادت ہمارے پیر پر ہتھوڑا مارتی ہے اور پھر کہتی ہے کہ لنگڑا کر چلنا تو ہماری مجبوری ہے!** کیا اب وقت نہیں آگیا کہ ہم ایک نئی قیادت کے قیام کے لیے سرگرم عمل ہوں یا کم از کم سنجیدگی سے اس حوالے سے غور کریں، ایسی قیادت جو قرآن و سنت کے احکامات کے ذریعے حکمرانی کرے؟ بے شک اس امر سے سب لوگ آگاہ ہیں کہ باقی مسلم دنیا کی طرح پاکستان بھی ہر طرح کے وسائل سے مالا مال ہے جس میں توانائی، معدنیات، زرخیز زمین اور نوجوان آبادی شامل ہیں۔ ہمیں صرف جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایسی قابل قیادت ہے جو ہمارے اور ہمارے دین کے ساتھ مخلص ہو۔ ایسی قیادت کی عدم موجودگی میں تباہی کے علاوہ کسی چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے استعماری اداروں کے ساتھ کئی دہائیوں سے جاری معاشی معاہدوں اور اربوں ڈالرز کے قرضوں کے حصول کے بعد کیا پاکستان کی قیادت نے ہمیں کسی بہتر مقام پر پہنچایا ہے؟ اس معاشی سمت نے ہماری معیشت کو سودی لین دین کرنے والوں کے لیے سونے کی چڑیا بنا دیا ہے۔ پاکستان کی ٹیکس آمدنی کا زیادہ تر حصہ اب سودی ادائیگیوں پر خرچ ہوتا ہے، جبکہ پاکستان کا قرضہ سودی ظلم کے نتیجے میں آسمان کو چھو رہا ہے۔ 1971ء میں پاکستان کا قرضہ 30 ارب روپے تھا جبکہ 2021ء میں یہ قرضہ بڑھ کر 40 ہزار ارب روپے سے زائد ہو چکا ہے۔ اس طرح سود پر قرض دینے والے ادارے، بالخصوص بین الاقوامی استعماری ادارے، جونک کی مانند ہمارا خون چوس رہے ہیں۔ اس دگرگوں صورتحال کے باوجود، موجودہ قیادت جو کہ امریکہ کے ایجنٹوں پر مشتمل ہے، صرف اپنے تخت بچانے کی خاطر امریکہ کی حمایت حاصل کرنے میں مشغول ہے، جب کہ سود کے اس گناہِ کبیرہ پر اڑے رہتے ہوئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ کی مرتکب ہو رہی ہے۔

قرضوں میں اضافہ مزید سخت اور نقصان دہ استعماری مطالبوں کا باعث بنتا ہے، اور پاکستان کی یہ قیادت ہماری تنگی اور مصیبتوں کی پرواہ کیے بغیر ان مطالبات پر بے دریغ عمل درآمد کرتی ہے۔ پس یہ قیادت ہمارے توانائی اور معدنی وسائل کو پرائیویٹائز کرتی ہے، جس کے نتیجے میں ممکنہ بھاری محصولات ریاستی خزانے کی بجائے نجی کمپنیوں کی تجوریوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ لامحالہ یہ قیادت ٹیکسوں میں اضافے اور سبسڈی کے خاتمے کا اعلان کرتی ہے، جس سے ہماری صنعت اور زراعت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ استعماری مطالبات کے ہی مطابق یہ قیادت روپے کو مسلسل کمزور ہونے دیتی ہے، اور عوام مہنگائی کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ پس واضح ہے کہ معاشی طور پر ملک میں قیادت کا بحران ہے۔ اس کا حل صرف اسلامی معاشی نظام ہے جس کو خلافتِ راشدہ نافذ کرے گی۔

جہاں تک امریکہ کے ساتھ فوجی اتحاد کا تعلق ہے، تو یہ پاکستان کے لیے تباہی لے کر آیا ہے۔ پاکستان ہتھیاروں کی سپلائی کے لیے خطرناک حد تک امریکہ پر انحصار کرتا ہے۔ غیر ملکی فوجی تربیتی دوروں کے دوران امریکہ ہماری فوج میں اپنے لیے ایجنٹ تلاش کرتا ہے۔ قریبی فوجی رابطوں کے ذریعے فوجی راز حاصل کیے جاتے ہیں۔ امریکہ کے ساتھ اتحاد کا تمام تر جھکاؤ بڑی استعماری طاقت امریکہ کے حق میں ہے، جس کے نتیجے میں پاکستان کی فوج، انٹیلی جنس اور فضائی حدود کو خطے میں امریکہ کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ امریکی استعمار کی بجائے کسی اور استعماری طاقت، جیسا کہ روس یا چین کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا جائے کیونکہ مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا! یہ بھی کافی نہیں کہ اس بات پر غم و غصے کا اظہار کیا جائے کہ امریکہ نے 1965 اور 1971 میں بھی ہمیں دھوکہ دیا اور اب وہ بھارت کو علاقائی طاقت بنا رہا ہے۔

اگرچہ اسلام یہ وسیع فوجی ویژن دیتا ہے کہ مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرایا جائے اور نئے علاقوں کو اسلام کی رحمت اور عدل سے روشناس کرایا جائے، لیکن موجودہ قیادت نے اس بات کو یقینی بنا رکھا ہے کہ ہم بدستور تقسیم رہیں اور نتیجتاً دشمن کے سامنے کمزور رہیں۔ کیونکہ اس نے وحدت کی بجائے وطنیت پرستی، قومی ریاستی ماڈل اور مغرب کے عطا کردہ بین الاقوامی آرڈر کو اختیار کر رکھا ہے۔ ہماری فوج اور انٹیلی جنس کو اس کے بھرپور کردار سے روکا گیا ہے، اور

ان کی حیثیت محض ایک آلہ کار کی بن گئی ہے کہ جس کا کام اس کرپٹ قیادت کے ڈولتے ہوئے اقتدار کو ایک ایسے وقت سہارا دینا ہے کہ جب اس کے خلاف غصہ بڑھتا جارہا ہے۔ یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو اسلام کی بنیاد پر ایک آزاد خارجہ اور داخلہ پالیسی اپنائے گی اور امریکہ کا کنٹرول ہمیشہ کے لیے ختم کردے گی۔ یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو مسلم دنیا کو ایک ریاست کی شکل میں یکجا کر کے اسے مسلمانوں کے لیے ایک طاقتور اور مضبوط ڈھال میں تبدیل کردے گی۔ یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو امریکہ جیسی تمام دشمن ریاستوں کے ساتھ اتحاد ختم کردے گی، اور ان کے ساتھ جنگی بنیادوں پر نمٹے گی۔ خلافت گراں قدر بھاری صنعت کی تعمیر کرے گی تاکہ بیرونی اسلحے پر انحصار ختم ہو سکے، اور خلافت اسلام اور مسلمانوں کے ثابت شدہ دشمنوں کے ساتھ ہر قسم کے تعاون اور حساس رابطے ختم کردے گی۔

اے پاکستان کے مسلمانو! نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے دوبارہ قیام کے لیے آج سے حزب التحریر کے ساتھ مل کر کام کرو تاکہ بالآخر ہم پر ایسے حکمرانوں کا سایہ ہو جو ہم پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کے مطابق حکمرانی کریں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، **وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الأَرْضِ "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں حکمرانی عطا کرے گا"** (النور، 24:55)۔ یقیناً نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کا دوبارہ قیام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد و نصرت سے ہی ہو گا، اور یہ نصرت اُنہیں حاصل ہو گی جو اِس دین پر ایمان رکھتے ہیں اور صرف اور صرف اسی دین کے نفاذ کے لیے کام کرتے ہیں۔ پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کو ایک آئین و ریاست کی صورت میں دوبارہ قائم کرنے کے لیے حزب التحریر کے ساتھ کام کریں۔ یقیناً، اس وقت تک کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آسکتی جب تک حزب التحریر کی قیادت میں چلنے والی تحریک کے ذریعے نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم نہ ہو جائے۔

اے افواجِ پاکستان کے مسلمانو! رسول اللہ ﷺ نے ذاتی طور پر عسکری طاقت رکھنے والوں سے اللہ کے دین کے لیے نصرت طلب کی تھی، آپ ﷺ یہ پوچھا کرتے تھے، **فَهَلْ عِنْدَ قَوْمِكَ مِنْ مَنَعَةٍ؟ "کیا تم لوگوں کے پاس طاقت ہے؟"**۔ پس عقبہ کے مقام پر نصرت کی بیعت دیے جانے کے بعد شدید اندرونی مسائل سے

دو چار یثرب، مدینہ منورہ کی مضبوط ریاست میں تبدیل ہو گیا، ایک ایسی ریاست جس نے اس وقت کی بڑی عالمی طاقتوں کے دروازوں تک اسلام کی دعوت کو پھیلا دیا، اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں حائل مادی رکاوٹوں کو جہاد کے ذریعے دور کیا، جس کے بعد لوگوں نے جوق در جوق اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا۔ پس آپ لوگ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے ابھی اپنی نصرت فراہم کریں۔ اے اللہ کے سپاہیو! نصرت فراہم کرنا آپ پر شرعی فریضہ ہے، لہٰذا ابھی اپنی نصرت حزب التحریر کو فراہم کرو۔

14 محرم 1444 ہجری **حزب التحریر**

12 اگست 2022ء ولایہ پاکستان

فہرست

عربی زبان اسلام کا بنیادی حصہ ہے جسے الگ نہیں کیا جا سکتا

محمد النادی

قرآن کریم ہمارے رب جل جلالہ کی کتاب ہے، جس کو اللہ تعالی نے عربی زبان میں نازل کیا، تمام انسانیت کی سعادت کو اس کی ہدایت کی پیروی اور اس کے منہج کو اختیار کرنے کے ساتھ مربوط کر دیا اور اس سے رو گردانی کرنے اور منہ موڑنے کو مکمل بد بختی قرار دیا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى * وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى * قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنتُ بَصِيراً﴾ "اب تمہارے پاس جب کبھی میری ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے تو وہ نہ گمراہ ہوگا نہ بد بخت اور جو میری یاد سے رو گردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا" (طه:123-125)۔

یقیناً یہ قرآن اور صرف و نحو کی کتابوں میں لکھے ہوئے عربی لغت کے قواعد دو وہ لازم و ملزوم امور ہیں جو کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے کیونکہ اگر عربی قواعد نہ ہوتے تو قرآن کو نہ سمجھا جاتا، قرآن نہ ہوتا تو عربی لغت محفوظ نہ ہوتی۔ یہی وجہ کہ عربی زبان اسلام کا ایسا بنیادی جزو ہے جو اس سے کبھی الگ نہیں ہوتا۔ اسلامی دعوت کی ذمہ داری کو صرف اسی کے ذریعے اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسلام کو اس کے مصادر سے سمجھنا، قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کے پاک نصوص سے احکامات کا استنباط صرف عربی لغت سے ہی ممکن ہے۔ اسی لیے مسلمان اس کا زبردست خیال رکھتے تھے اور اس کو بھرپور اہمیت دیتے تھے۔

جب ہمارے عظیم آباواجداد صحابہ رضی اللہ عنھم ہدایت، نوراور جہانوں کے لیے رحمت کے پیغام کے طور پر اسلام کی طرف دعوت کی ذمہ داری کے علمبردار بنے، تب اس دعوت کو انھوں نے تین ستونوں پر اٹھایا؛ قرآن کریم، عربی زبان اور سنت نبوی ﷺ۔

اسی لیے ہمارے سلف صالحین نے اپنے بچوں کو سکھانے اور لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے میں ان تین ستونوں پر توجہ مرکوز رکھی، چنانچہ وہ ان کو عربی زبان ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ سکھاتے تھے۔

اسلام کے دشمنوں نے مسلمانوں کی قوت کا راز جان لیا کہ وہ اسلامی عقیدے پر ان کے ایمان اور اسی عقیدے سے نکلنے والے احکام شرعیہ کے نفاذ کی پابندی میں پوشیدہ ہے۔ یہ عقیدہ توحید ہے اور صرف اس کی بندگی ہے جو قرآن کے ذریعے ان کو ملا ہے۔

اسلام کے دشمنوں نے یہ جان لیا اور وہ یہ سمجھ گئے کہ جب تک مسلمانوں کے اندر اسلام مضبوط ہے، اس کا فہم مضبوط ہے اس کا نفاذ مضبوط ہے وہ اسلامی ریاست کو کمزور کرنے میں ہر گز کامیاب نہیں ہوں گے، تب انہوں نے مسلمانوں کے اسلام کے فہم کو کمزور کرنے اور ان کی طرف سے اس کے احکامات کے نفاذ میں کمزوری کے وسائل پیدا کرنے کا تہیہ کر لیا۔

انہوں نے عربی زبان کو نشانہ بنانے کے لیے کمر کس لی کیونکہ یہی اسلام کی زبان ہے۔ انہوں نے عربی زبان کو اسلام سے الگ کرنے کی کوشش کی، اس میں معاونت اسلامی دنیا میں برسر اقتدار آنے والے ان لوگوں نے کی جن کو عربی زبان کی قدر و قیمت کا علم نہیں تھا؛ جنہوں اس کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی جس کی وجہ سے اجتہاد رک گیا، ان لوگوں کے لیے احکام کو استنباط کرنا ممکن نہیں رہا جو اس زبان کے قواعد اور علوم کو نہیں جانتے تھے، یوں عربی زبان

اسلام سے جدا ہو گئی اور اسلامی ریاست کے لیے اسلامی احکامات کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔ ظاہر ہے اس کے نتیجے میں اس کو نافذ کرنا اس کے لیے مشکل ہو گیا، جس کا ریاست پر بڑا منفی اثر ہوا۔ لہٰذا ریاست کمزور ہو گئی، نئے پیدا ہونے والے مسائل کو سمجھنا اس کے لیے مشکل ہو گیا، جس سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل نہ ملنے لگا یا مسائل کا درست حل نہ دیا جا سکا، جس نے ریاست کے سامنے پے در پے مشکلات کو کھڑا کر دیا جو اس کے زوال اور ڈھگمگانے کا سبب بن گیا۔ یوں اسلام کے دشمن مسلمانوں کی شان و شوکت کو کمزور کرنے میں کامیاب ہو گئے، مگر یہ ایک عرصے کے لیے تھا۔۔۔ اللہ اپنے نور کو مکمل کرنا ہی چاہتا ہے، اللہ اپنے امر میں غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جب عربی زبان کو نظر انداز کیا گیا تو امت میں مجتہدین کی کمی ہو گئی، نسلیں قرآن کی آیات کے معانی ہی نہ سمجھنے لگیں، صد افسوس کہ استعماری کفار ہمیں ہمارے دین سے دور کرنے میں اور ہم پر کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، ہمارا یہ حال کسی سے پوشیدہ نہیں۔

یہ اسلام کی حکمرانی کی غیر موجودگی اور جابرانہ حکمرانی کے دور میں ذلیل حکمرانوں کے زمانے میں ہوا۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اچھے طریقے سے ہمارے دین کی طرف لوٹا دے، ہمیں اس بات کی توفیق دے جو اس کو پسند ہے اور جس سے وہ راضی ہے۔ ہماری حزب التحریر کے شباب کی اپنے عظیم تہذیبی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مدد کرے جو کہ نبوت کی طرز پر دوسری خلافت راشدہ کے قیام کا منصوبہ ہے۔ اللہ کے کرم اور فضل سے ہم نے ریاست کے لیے ایسا دستور تیار کیا ہے جو انسان کے تمام مسائل کو اسلامی شریعت کے احکامات کے مطابق حل کرتا ہے، جو تمام نظامہائے حیات پر مشتمل ہے، زندگی کے تمام معاملات کا احاطہ کرتا ہے: معاشرتی، اقتصادی، داخلہ پالیسی، خارجہ پالیسی وغیرہ۔ اسی طرح ہم نے اللہ کے فضل اور توفیق سے نئی نسل کیلئے ایک منفرد منہج، تربیاتی نظام اور نمایاں ثقافت تیار کر رکھی ہے۔

یہ وہ رہنما ریاست ہو گی جو علم کو اہمیت دے گی اور علماء کی توقیر کرے گی، معاشرے میں علماء اور طلباء کو ان کا کھویا ہوا مقام دلائے گی۔

یہ عظیم الشان ریاست عربی زبان کو اس کے شایان شان قدر و منزلت، اہمیت اور مرتبہ دے گی، اس پر بھر پور توجہ دے گی، اس کو سرکاری زبان بنائے گی، اس کی تعلیم کو ریاست کے تمام صوبوں میں ابتدائی کلاسوں سے ہی لازمی قرار دے گی: نرسری کلاسوں اور پرائمری کلاسوں میں، اسی طرح مڈل اور انٹر میڈیٹ پھر یونیورسٹی تک، میڈیا کو اسلوب، بیان اور خطاب میں ممکن حد تک فصیح عربی کا پابند بنائے گی، اسی طرح سکولوں اور یونیورسٹیوں سمیت ہر جگہ اسے لاگو کرے گی۔

وہ ریاست جس کا سورج طلوع ہونے والا ہے اور اس کے ظہور کا وقت آن پہنچا ہے، اللہ کے اذن سے وہی ریاست دنیا کی صف اول کی ریاست ہو گی۔ اے اللہ ہمیں اس کے سپاہیوں اس کے گواہوں اور اس کے شہداء میں سے بنادے، صرف تو ہی پاک ہے اور صرف تو ہی اس کا اہل اور اس پر قادر ہے، تو ہی پاک سننے والا قریب اور دعا قبول کرنے والا ہے۔

﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَن يَكُونَ قَرِيباً﴾

"اور کہتے ہیں کہ وہ کب ہے کہدیجئے ممکن ہے وہ قریب ہے"(الاسراء:51)

فہرست

سوال کا جواب: یوکرین میں روسی جنگ کے اثرات

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

2022/10/1 کو فرانس 24 نے یہ خبر نشر کی کہ: "یوکرینی فوج کے ترجمان نے اعلان کیا کہ اس کی فوج روسی فوج کا محاصرہ کرنے کے بعد ملک کے مشرق میں لیمان (دونیسٹک کے علاقے) میں داخل ہو گئی ہے۔۔۔"۔ روسی صدر پوٹین نے یوکرین کے میدان جنگ میں بڑی پسپائی کے بعد بدھ کے دن (دوسری جنگ عظیم کے بعد پہلی بار) اپنے ملک میں فوج میں جبری بھرتی کا حکم دیا۔۔۔یورونیوز 2022/9/21)۔ یہ حکم یوکرین کی جانب سے جوابی حملہ کرکے ان وسیع علاقوں کو واپس لینے کے بعد جاری ہوا جن پر روس نے قبضہ کیا تھا: "یوکرین کے نائب وزیر دفاع نے اتوار کے دن الحرۃ ٹی وی چینل سے بات کرتے ہوئے کہا کہ یوکرین نے روس سے یوکرین کے مشرق میں ان دس ہزار مربع کلو میٹر علاقوں کو واپس لے لیا ہے جن پر روس نے قبضہ کیا تھا۔۔۔انہوں نے وضاحت کی کہ کیف (یوکرین کا دارالحکومت) کو مغربی ممالک سے بھرپور مدد ملی اور ہم نے ملک کے مشرقی علاقے میں جوابی حملے میں کامیابی حاصل کی۔۔۔"(ہفتہ 2022/9/18)۔

اب سوال یہ ہے کہ: کیا روس واقعی عسکری لحاظ سے کمزور ہے؟ یا مغربی اسلحے کی سپلائی ڈرامائی طور پر دوگنا ہو گئی؟ کیا روس میں ریزرو فوجیوں کو جزوی طور پر متحرک کرنے سے معاملات بدل جائیں گے؟ اس کے علاوہ روس کی جانب سے یوکرین کے چار علاقوں کو روس میں ضم کرنے کے کیا نتائج ہوں گے اگرچہ اگلے ہی دن یوکرین نے لیمان واپس لے لیا جو اس کا حصہ ہے؟ کیا روس یوکرین کے علاقوں کو روس میں ضم کرنے کے منصوبے سے پیچھے ہٹے گا؟

جواب:

ان تازہ حقائق کی وضاحت اور ان کے اثرات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ طاقت کے توازن کو تبدیل کرنے کا عملی اور تیز طریقہ جنگیں ہی ہیں، تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوا ہے، اور یوکرین میں جنگ پر نظر دوڑانے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ:

1۔ روس نے یوکرین میں جنگ صرف دونباس کے علاقے میں روسی زبان بولنے والوں کے دفاع میں شروع نہیں کی تھی اگرچہ وہ اس کا واویلا کرتا تھا بلکہ اس نے جنگ کی آگ روس کے بین الاقوامی مقام کو مضبوط کرنے کے لیے بھڑکائی۔ وہ جنگ کی آگ بھڑکا کر یورپ، امریکہ اور نیٹو سے سیکیورٹی کے حوالے سے یقین دہانیاں (گارنٹیز) چاہتا تھا، جس میں یوکرین کو نیٹو میں شامل نہ کرنا بھی تھا۔ روس کے یہ اہداف جو روس کی اس سوچ کے پیداوار ہیں کہ دنیا کے اول درجے کی ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود روس کو بین الاقوامی برادری میں اس کے شایان شان مقام نہ دیا جا رہا در حقیقت روس پر ظلم ہے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ماسکو کے ہر بیان سے یہ بات واضح تھی۔ اس کی تصدیق روس کی جانب سے ان گارنٹیز پر اصرار سے ہوتی ہے اور یہ کہ امریکہ اور مغرب اسے تحریری گارنٹیز دیں۔ اس لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ امریکہ اور اس کی پیروی میں یورپ نے روسی جنگ کو صرف یوکرین کی سرزمین پر روسی دعویداری یا مشرقی یوکرین میں روسی بولنے والوں کے دفاع کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اسے بین الاقوامی نظام کے خلاف بغاوت کے طور پر دیکھا۔ امریکہ اور مغرب نے جو پوزیشن اس بار اختیار کی ہے وہ 2014 میں روس کی جانب سے جزیرہ نما کریمیا کو روس میں ضم کرنے کے وقت سے مختلف تھی، یعنی اس بار انہوں نے اس کو ایک بڑے ملک کی جانب سے اُس عالمی نظام سے بغاوت کے طور پر دیکھا جس کی امریکہ تن تنہا قیادت کر رہا ہے۔

2۔ یہی وجہ ہے کہ روس کے خلاف امریکی اور یورپی ردعمل شدید تھا، جبکہ روس کو اس ردعمل کی توقع نہیں تھی جو سیاسی حماقت کے لیے مشہور ہے۔۔۔ یوں امریکہ اور یورپ نے اس پر تاریخ کی سخت ترین پابندیاں عائد کیں،

بیرونِ ملک اس کے اثاثے منجمد کیے، ان سب ممالک نے روس کے ساتھ اپنے تعلقات منقطع کیے جبکہ یورپ کو روسی تیل اور گیس کی سخت ضرورت ہے۔ یورپ خاص کر جرمنی دوبارہ مسلح ہونے لگا اور امریکہ نے یورپ کو ساتھ لے کر یوکرین کی عسکری مدد میں اضافہ کیا۔ روس کے یوکرین کی جنگ میں پھنستے ہی امریکہ نے اپنے آپ کو مغرب کے بلا شرکت غیرے قائد کے طور مزید نمایاں کیا جو اس سے قبل صدر ٹرمپ کے دور میں مشکوک ہو گیا تھا۔ اس کے اپنے اتحادیوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں موجود بہت سارے اختلافات کو بند کر دیا۔ روسی قوت، جو ماسکوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے، کی حقیقت جنگ کے شروع میں ایسی واضح نہیں تھی جیسا کہ اب یوکرین میں داخل ہونے کے چھ مہینے گزرنے کے بعد واضح ہے۔ امریکہ نے یوکرین کی بتدریج عسکری مدد کی، اور اس حوالے سے وہ ماسکو کے رد عمل پر نظر رکھ رہا تھا، اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ روس کی سرخ لکیریں ایک ایک کر کے گرتی چلی گئی، اور پھر امریکہ اور اس کی پیروی میں اس کے اتحادیوں نے روس کی سرخ لکیریں روند ڈالی۔ پھر امریکہ اس سے بھی آگے بڑھ کیا مگر روس اس کو روک نہیں سکا، ان سرخ لکیروں کو ختم کرنے کا مقصد یوکرین کو عسکری مدد فراہم کرنا اور اس مدد میں مقدار اور معیار کے لحاظ سے اضافہ تھا، یعنی کورین کو اس قابل بنانا تھا کہ وہ دفاعی پوزیشن سے نکل کر حملے کرنے کی پوزیشن میں آجائے۔۔۔ یوں امریکہ جو پہلے یوکرین کو جزیرہ کریمیا میں روس پر حملے کے لیے نہیں اکساتا تھا اب اس کو اکسانے لگا ہے۔۔۔

3۔ اپنی اسٹریٹجک حماقت کے ساتھ روس بپھر کر یوکرین کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے دوڑ پڑا، اور یوکرین پر برتری کے احساس کی وجہ سے دارالحکومت کیف کی جانب بہت آگے تک بڑھ گیا، مگر اس پر قبضہ کرنے میں ناکام ہو کر دونباس کی طرف پسپا ہوا۔ مگر اس پسپائی نے روسی فوج کی بڑی کمزوری کو نمایاں کر دیا۔ روس نے نہ تو اپنے طیاروں کو سامنے لا کر یوکرین کی فضاؤں کو کنٹرول کیا، نہ ہی پیش قدمی کرنے والی اپنی فوج کو لاجسٹک (نقل و حمل) فراہم کر سکا، اپنی انٹیلی جنس کی توقع کے برعکس یوکرینی مزاحمت سے ششدر رہ گیا۔ روسی فوج کی اس کمزوری نے واشنگٹن کے اندر

یوکرین میں روس کو شکست دینے کی امیدیں اجاگر کی۔ معلوم ہوا کہ روسی صدر پوٹن کے روسی طاقت کے بارے میں بیانات ان کی فوج کی میدان جنگ میں خراب کارکردگی سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ اس زمینی حقیقت کے واضح ہونے کے بعد وہ ممالک جو پہلے اپنے سفارتخانے بند کر کے اپنے عملے کو واپس بلا چکے تھے، انہوں نے واپسی کا سفر اختیات کیا اور سفارت خانے دوبارہ کھول لیے، جس کے بعد مغربی عہدیداروں کا یوکرینی دارالحکومت میں تانتا بندھ گیا۔۔۔

4۔اس کے بعد امریکہ یوکرین کے لیے اپنی عسکری امداد کے اہداف کا اعلان کرنے لگا، اور ان امریکی اہداف کا اعلان ماسکو پر بجلی بن کر گرا۔ امریکہ نے مصنوعی سیاروں کے ذریعے یوکرین کے لیے انٹیلی جنس معلومات جمع کیں اور اسے عسکری مشورے دیے، یہاں تک کہ امریکی چیف آف اسٹاف نے کہا کہ وہ اپنے یوکرینی ہم منصب سے ہفتے میں سات بار ٹیلیفونک گفتگو کرتا ہے (الجزیرہ ٹی وی ستمبر 2022)۔ یوں ہر لحاظ سے امریکہ یوکرین کی جنگ کو اپنی جنگ سمجھتا ہے مگر خود براہ راست اس میں ملوث نہیں ہو رہا۔ امریکہ ہر ہفتے یوکرین کو اربوں ڈالر عسکری امداد دینے کا اعلان کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ روس کو یوکرین میں شکست دے کر بڑے ممالک کی فہرست سے نکالنے کے بارے میں پر عزم ہے، اور اب روس کو بھی امریکہ کے اس ہدف کا ادراک ہو چکا ہے مگر اب بہت دیر ہو چکی ہے!

5۔اسی طرح روس کی اسٹریٹیجک کمزوری کی نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے یورپ کی جانب سے دن دھاڑے یہ اعلان کرنے کے باوجود کہ وہ روس سے تیل اور گیس کی درآمد سے جان چھڑانے کی راہ پر گامزن ہے، جنگ کے ان چھ مہینوں میں یورپ کو گیس اور تیل کی سپلائی جاری رکھی، یعنی اس نے ان ملکوں کو تیل اور گیس کی سپلائی بند کرنے میں پہل نہیں کی جو صبح شام اس کے خلاف اپنی دشمنی کا اعلان کر رہے ہیں۔ یہ اس بات کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ ماسکو کو مال کی سخت ضرورت ہے اگرچہ وہ یہ ڈینگیں مارتا ہے کہ مغربی پابندیوں سے اس کی معیشت متاثر نہیں ہوئی اور

روبل پابندیوں کے سامنے میں ڈٹا ہوا ہے! اگرچہ روس نے ستمبر 2022 کے اوائل میں "نورڈ اسٹریم" گیس پائپ لائن میں دھماکے کے بعد گیس کی سپلائی منقطع کر دی مگر اس نے بہت زیادہ تاخیر کی، وہ اعلان کرتا رہا کہ وہ توانائی کا قابل اعتماد سپلائر ہے، یہ تو ایک بات ہے، جبکہ دوسری طرف یورپ کو گیس سپلائی کرنے والی دوسری لائنیں جیسے "یامال" جو پولینڈ سے گزرتی ہے، "پروگریس" اور "سیوز" لائنیں جو یوکرین سے گزرتی ہیں، "ترک اسٹریم" جو ترکی سے گزرتی ہے، ان کو کھلا رکھا، سوائے ان جزوی لائنوں کے جن کو پولینڈ اور یوکرین نے کاٹ دیا ہے روس نے کوئی دوسری لائن بند نہیں کی۔ روس کو مال کی ضرورت نے بین الاقوامی سطح پر اس کی عزت کو پامال کیا۔ یہ عمل جنگ سے پہلے ان کوششوں کے منافی ہے جو عالمی مقام کو بہتر کرنے کے لیے تھیں!۔۔۔

6۔اس کے علاوہ روس کو چین کے حالیہ موقف سے جھٹکا لگا جو ستمبر 2022 کے وسط میں سمرقند میں منعقد ہونے والی شنگھائی تنظیم کے سربراہی اجلاس کے موقعے پر سامنے آیا، یعنی خارکوف میں روسی ہزیمت کے فوراً بعد۔ چین کے موقف کا اظہار خود روسی صدر نے کیا اور یوکرین جنگ کے بارے میں کہا کہ وہ "چین کے خوف اور تشویش" کو سمجھتے ہیں۔ پوٹین نے اپنے چینی ہم منصب سے یوکرین میں روسی جنگ شروع ہونے کے بعد ہونے والی پہلی ملاقات میں کہا کہ روس یوکرین بحران کے حوالے سے چین کے "متوازن" موقف کی قدر کرتا ہے۔(الجزیرہ 2022/9/15)۔یوں روس کو یہ معلوم ہو گیا کہ جس چین نے یوکرین میں جنگ سے ذرا پہلے اس کے ساتھ "طویل المیعاد" تعاون کا معاہدہ کیا تھا اب اس کا موقف "متوازن" ہے یعنی وہ نہ روس کے ساتھ ہے نہ ہی یوکرین اور مغرب کے ساتھ ہے۔ ایسا ہی ہوا کہ چین نے شنگھائی سربراہی کانفرنس میں روس کے ساتھ مشترکہ بیانات اور صدر کے بیانات میں "یوکرین" کا نام تک نہیں لیا، بلکہ اس کی طرف اشارے کرتا رہا۔ کوئی بھی عقلمند اس بات پر شک نہیں کر سکتا کہ امریکہ نے چین کو یوکرین جنگ میں روس کی کسی بھی قسم کی مدد کے خطرے سے خبردار کیا۔ یہ ایسا امر ہے کہ بلاشبہ چین نے اپنی بین الاقوامی تجارت میں خسارے کے خوف سے یہ موقف اپنایا۔۔۔یہی وجہ ہے کہ چین نے

سیکیورٹی کونسل میں روس کی جانب سے یوکرین کے چار علاقوں کو ضم کرنے کے قرارد میں اس کی حمایت نہیں کی۔ فرانس 24 نے 2022/10/1 کو یہ خبر دی: "روس نے جمعہ کو یوکرین کے چار علاقوں کو اپنے اندر ضم کرنے کی مذمت میں پیش کی جانے والے بین الاقوامی قرار داد کو سلامتی کونسل میں پاس ہونے سے روکنے کے لیے "ویٹو" کیا۔۔اس قرار داد کو امریکہ اور البانیہ نے تیار کیا تھا اور دس ممالک نے اس کی حمایت کی جبکہ چار ممالک چین، ہندوستان، برازیل اور گابون نے ووٹ نہیں ڈالا۔۔۔)۔

7۔ جو کچھ کہا گیا اس کی روشنی میں یوکرین پر روسی حملہ جس کے ذریعے روس یوکرین کو اپنی شرائط کے سامنے نہیں جھکا سکا، روس کی خطرناک عسکری کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ امریکہ اور مغرب کی جانب سے یوکرین کی بڑی اور اعلیٰ عسکری مدد کو بھی ظاہر کرتا ہے، جس میں سے کچھ کا اعلان کیا گیا اور کچھ کو مخفی رکھا گیا، اور چونکہ روس نے یہ نئی حقائق دیکھ لیے ہیں جن کی وہ جنگ سے پہلے توقع نہیں کر رہا تھا، اس لیے لاوروف نے 2022/9/12 کو کہا کہ روس یوکرین کے ساتھ مذاکرات کو مسترد نہیں کرتا ہے۔(الجزیرہ 2022/9/12)، مگر اسے اس بات کا مکمل ادراک ہے کہ روس کی جانب سے جنگ کے شروع کے دنوں میں جو سرنڈر کی شرائط یوکرین کی میز پر رکھی گئی تھیں، وہ ملیامیٹ ہو چکی ہیں۔ ان روسی شرائط کو دوبارہ یوکرین کے سامنے رکھنے کی اس کے سوا کوئی امید نہیں کہ روس ایٹمی اسلحہ استعمال کرے۔ یہ روس کا آخری ممکنہ کارڈ ہو سکتا ہے، مگر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ایٹمی اسلحے کا استعمال امریکہ کو کسی نہ کسی شکل میں جنگ میں کھینچ لائے گا، جب روس یوکرین کی فوج کے خلاف جنگ نہیں جیت سکتی جس کو امریکی امداد مل رہی ہے تو پھر امریکہ کے جنگ میں کود جانے کے بعد وہ کیسے جیت سکتا ہے۔ یوں یوکرین پر حملے کے بعد روس "شش و پنج" کی صورت حال سے دوچار ہے۔

8۔ روس نے ان تمام خطروں کو بھانپ لیا ہے، اس کے صدر نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے چنانچہ روسی صدر ولادی میر پوٹن نے جزوی طور پر ریزرو فوج کو حرکت میں لانے کا اعلان کیا، اور اپنے ملک کے ایٹمی خطرے

سے دوچار ہونے کی طرف اشارہ کیا۔(الجزیرہ نیٹ 2022/9/21)۔اسی طرح لوگانسک، دونیتسک، خیرسون اور زاپوریزحزیحا کے علاقوں کے روسی حمایت یافتہ نمائندوں نے روس سے الحاق کے لیے 23اور 27 ستمبر کو ریفرنڈم کا اعلان کیا۔ (اناتولیہ نیوز ایجنسی ترکی، 2022/9/21)۔۔۔پھر ریفرنڈم ہو بھی گیا اور یہ علاقے ضم ہو گئے۔۔۔الجزیرہ نیٹ نے 2022/9/30 کو یہ خبر نشر کی: روسی صدر پوٹن نے اعلان کیا ہے کہ لوگانسک، دونیتسک، زاپوریزحزیحا اور خیرسون اب روس کے علاقے ہیں اور صدر نے اپنے طویل خطاب میں کہا کہ عالمی نظام پر مغرب کا کنٹرول ہے جبکہ یوکرینی صدر زیلینسکی نے روسی اقدام کے جواب میں "فیصلہ کن قدم" اٹھانے کا اعلان کیا۔ اس کے باوجود یوکرینی فوج نے مذکورہ چار علاقوں کے اندر عسکری کارروائی جاری رکھی۔۔۔فرانس 24 نیٹ میں 2022/10/1 کو یہ خبر شائع کی گئی کہ: یوکرینی فوج کے ترجمان نے اعلان کیا کہ اس کی فوج نے ماسکو کے لیے انتہائی اہمیت کے علاقے میں روسی فوج کا محاصرہ کرنے کے بعد ملک کے مشرق میں لیمان کے علاقے میں داخل ہوئی جبکہ روس نے اعتراف کیا کہ لڑائی جاری ہے جس کی وجہ سے ہزاروں لوگ نکل آئے ہیں۔ یہ ماسکو کی جانب سے سیاسی دباو کے بعد ہوا جب روسی صدر پوٹن نے جمعہ کو یوکرین کے چار علاقوں کو روس میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔۔۔یوکرینی وزارت دفاع نے ٹوئیٹ کیا کہ، " یوکرینی ائراسٹرائک فورسز دونیتسک کے علاقے لیمان میں داخل ہوچکی ہیں) اس سے کچھ دیر پہلے یوکرائنی فوج نے کہا کہ اس نے دونیستک میں واقع اس علاقے میں ہزاروں روسی فوجیوں کا محاصرہ کیا ہوا ہے جس کو روس نے جمعہ کے دن ضم کرلیا تھا"۔

9۔جو کچھاب تک ہوا، اس کے بعد روسی موقف کو باریک بینی سے دیکھنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ:

ا۔جیسا کہ تاریخ میں ہمیشہ روس کی ذہنیت رہی ہے کہ روس زمینی کامیابی چاہتا ہے اور کسی بھی قیمت پر اس کی حفاظت چاہتا ہے۔اسی لیے جن علاقوں پر کلی یا جزوی قبضہ کیا ہوا ہے ان میں ریفرنڈم کروا کر ان کو روس میں ضم کرہا ہے، اس کو ایک امر واقعہ بنا رہا ہے۔ روس یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ نئے علاقے (لوگانسک، دونیتسک، زاپوریزحزیحا اور

خیر سون) روسی سرزمین ہے اور ان پر حملہ روس پر حملہ ہے، ان کے دفاع کے لیے ممکنہ طور پر ایٹمی اسلحے کے استعمال کی ضرورت ہو سکتی ہے جو کہ بقول روس کے یہ "عسکری ایٹمی ڈاکٹرائن" ہے، یعنی وہ امریکہ اور یورپی ممالک خوفزدہ کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ روسی سرزمین پر حملے کے لیے یوکرینی فوج کی مدد نہ کریں، اور ساتھ ہی یوکرینی فوج کو بھی خوفزدہ کر دیں۔ یہ سب کچھ روسی فوج کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے کہ وہ یوکرین میں ناکامی کے بعد ایٹمی اسلحے کی نمائش پر مجبور ہوا ہے اگرچہ یہ جنگوں میں ایٹمی اسلحے کے استعمال کے ممنوع ہونے کے عالمی معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔۔۔

ب۔ تین لاکھ ریزرو فوج کو جزوی طور پر حرکت میں لانے کا اعلان جس کے ذریعے تین لاکھ سپاہیوں کا نام لکھا جا رہا ہے، شاید اس سے بھی زیادہ کا نام لکھا جائے، یہ سب بھی روسی فوج کی کمزوری پر بلواسطہ دلالت کرتا ہے کہ وہ یوکرین میں روسی اہداف کو حاصل کرنے میں ناکام ہو گئی ہے، وہاں ہونے والے جانی نقصان نے اس کو ریزرو فوج کو حرکت میں لانے پر مجبور کیا، اس کے باوجود روس واویلا کر رہا ہے کہ وہ جنگ نہیں لڑ رہا ہے بلکہ یہ محض ایک خاص عسکری آپریشن ہے۔

10۔ اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ یوکرین کی جنگ میں مزید شدت آئے گی جس کے ارد گرد بہت خطرات ہوں گے۔ اگر روس نے اپنی عزت و وقار دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ آنے والے دنوں میں یوکرین میں ہر خشک و تر کو جلا کر راکھ کر دے گا، یہ بھی تب ہے اگر وہ ایسا کرنے کی طاقت اور ارادہ رکھتا ہو، جبکہ بہت سی نشانیاں اس کے برخلاف ہیں، اس کے پاس صلاحیت اور ارادے کا فقدان ہے۔ روس نے وقت ہاتھ سے نکلنے کے بعد یہ ادراک کر لیا ہے کہ اس کو یوکرین کے محاذ پر امریکہ اور یورپی ممالک کا سامنا ہے، اگرچہ یورپی ممالک نے کسی حد تک روس کے لیے اپنا دروازہ مکمل طور پر بند نہیں کیا ہے مگر امریکہ نے روس کے قدموں تلے سے قالین کھینچ لیا ہے۔ یورپی ممالک نے اس سال کے اختتام تک روسی تیل سے دستبردار ہونے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں، اور اس کے بعد روسی گیس سے بھی، اس سب کی وجہ سے یورپی ممالک روسی چیلنج کا بہت شدت سے مقابلہ کر رہے ہیں، یہ جرمنوں کی

جانب سے روس کا سامنا کرنے اور جرمنی کے مسلح ہونے سے واضح ہے۔ روس یوکرینی علاقوں میں ریفرنڈم اور ان کو روس میں ضم کر کے میدان میں کامیابیوں کو یقینی بنانا چاہتا ہے تاکہ سب یہ تسلیم کریں، وہ ان علاقوں کی حفاظت کے لیے ایٹمی اسلحے کے استعمال کے خوف کو قائم رکھنا چاہتا ہے، مگر مغرب نے اس کے ریفرنڈم کو مسترد کیا اور یوکرین کی عسکری مدد پر اصرار کیا، بلکہ یوکرین کو زیادہ جدید فضائی دفاعی نظام فراہم کیا، اور اس طرح روسی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

11۔ جہاں تک ریزروز کو حرکت میں لانے کا تعلق ہے، عسکری ماہرین کے مطابق غیر تربیت یافتہ ریزرو فوج کو حرکت میں لانے سے روسی فوج کو زیادہ فائدہ نہیں ہوگا، روسی فوج کی کمزوری کا معاملہ ایسا گھمبیر ہے کہ جس کو تعداد میں اضافہ کر کے کم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قیادت کا مسئلہ اور آلات کی عدم دستیابی کا مسئلہ ہے جو روس میں میسر نہیں ہیں۔ اگرچہ روس نے اپنے عسکری فیکٹریوں اور فوج کے لیے عسکری پیداوار کو ایسے بھرپور طریقے سے متحرک کیا ہوا ہے کہ گویا عالمی جنگ لڑ رہا ہے، لیکن پھر بھی یہ فیصلہ کن نہیں ہوگا کیونکہ امریکہ اور یورپی ممالک یوکرینی فوج کو ہر وہ اسلحہ فراہم کر رہے ہیں جو اس کے لیے ضروری ہے، اور اگر یوکرین روسی فوج کو بھاری نقصان پہنچانے کے سلسلے کو جاری رکھتا ہے تو روس کے اندر سے جنگ روکنے کے لیے کریملن پر دباؤ میں اضافہ ہو جائے گا۔ بحر بال ٹیک میں روسی گیس پائپ لائن نورڈ اسٹریم میں میں دھماکوں سے اس دباؤ میں اضافہ ہوگا جس کے نتیجے میں سستی روسی قدرتی گیس کے حوالے سے یورپی امیدیں ختم ہو جائیں گی۔ اور اس سب کی وجہ سے روس کو یورپی کی دشمنی میں اضافے کا سامنا ہوگا اور وہ یوکرینی فوج کی مدد میں اضافہ کریں گے اور سستی روسی گیس کے لیے روس کے ساتھ صلح کے لیے یورپ میں اٹھنے والی آوازیں مزید کمزور ہو جائیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ چینی موقف میں پسپائی سے بھی روس کے اس احساس میں اضافہ ہوا ہے کہ امریکہ اور یورپ کے مقابلے میں میدان میں وہ تنہا ہے، یعنی چین بڑی حد تک روس کی مدد سے

پیچھے ہٹ گیا ہے۔ ان سب باتوں سے اندرونی طور کریملن پر تنقید میں اضافہ ہوگا کہ اس کے اندازے غلط تھے، جس سے روس مزید حیران وپریشان ہوگا۔

12۔ جہاں تک روسی ایٹمی دھمکیوں کی بات ہے تو پہلے بات تو یہ ہے اس دھمکی کے پیچھے عملی ارادہ نہیں کیونکہ مغربی انٹیلی جنس نے ابھی تک روسی ایٹمی قوت میں کوئی حرکت نہیں دیکھی ہے اس لیے مغرب کو یہ یقین ہے کہ پوٹن عملی طور پر ایٹمی طاقت استعمال کرنے کی بجائے صرف دھمکیاں دے کر ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چونکہ امریکہ اور یورپی ممالک نے روسی ایٹمی طاقت سے مرعوبیت نہیں دکھائی اگرچہ انہوں نے کہا ہے کہ وہ ان دھمکیوں کو سنجیدہ لے رہے ہیں، شاید اس لیے بھی کہ جنگ کا محاذ یوکرین ہے مغرب نہیں۔ اس کے باوجود امریکہ نے کہا ہے کہ وہ روس کی جانب سے یوکرین میں ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا جواب دے گا۔ امریکہ نے اگر روس اور امریکہ کے درمیان ایٹمی جنگ کو روکنے کے لیے روایتی ہتھیاروں سے بھی جواب دیا تو روس اس آخری دفاعی اسلحے سے بھی محروم ہو جائے گا جو اس کے پاس ہے اور اس کا یہ اسلحہ تباہی جنگ کے بعد بھی اس کے لیے مصیبت بن جائے گا۔

13۔ جہاں تک روس کی جانب سے مذکورہ علاقوں کو ضم کرنے سے رجوع کرنے کی بات ہے جیسا کہ سوال میں آیا ہے تو اس کا مطلب ہے بین الاقوامی مقام سے گرنا اور اس کے اثر ورسوخ کا خاتمہ جو کہ روسی قیادت کے لیے بہت گراں معاملہ ہے۔ اس لیے توقع اس بات کی ہے کہ روس ان چار علاقوں کو ضم کرنے پر ڈٹا رہے گا یعنی ان علاقوں کی سرحدوں پر جن کو ضم کرنے کے لیے ریفرنڈم کیا گیا اور اس کے علاوہ علاقوں کو بھی ضم کرنے کی کوشش کرے گا جو خارکیف میں اس کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔ اس سے روسی صدر اپنی قوم کے سامنے "طاقتور" نظر آئے گا کہ اس نے زمین پر روس کے لیے نئی کامیابیاں حاصل کیں ہیں جیسا کہ 2014 میں جزیرہ نما کریمیا کو حاصل کیا تھا۔ اگر یہ ہو بھی گیا تو یہ اس ریاست کے لیے بہت چھوٹا ہدف ہوگا جو اپنے آپ کو بڑی طاقت کہتی ہے جس نے مختصر وقت میں پورے یوکرین کو نگلنے کی دھمکی دی تھی۔ اس کے مقابلے میں امریکہ اور مغربی ممالک روس کی جانب سے ہتھیائے

گئے ان علاقوں کو واپس لینے کے لیے یوکرین کی حوصلہ افزائی اور اس کی فوج کی مدد کر رہے ہیں۔ ایک طرف مغرب کی جانب سے یوکرین کی فوجی مدد تو دوسری طرف روس کی جانب سے ریزرو فوج کو حرکت میں لانے سے اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ یوکرین میں میدان کارزار گرم رہے گا، اور یہ جنگ طویل عرصے تک جاری رہے گی۔ روس کی جانب سے ایٹمی اسلحہ استعمال کیے بغیر جنگ جیتنے کے امکانات کم ہیں اس لیے یوکرین جنگ دنیا کے لیے خطرات کے مزید دروازے کھول سکتی ہے۔۔۔ چونکہ روسی وزیر خارجہ لاوروف کہہ رہا ہے کہ روس مذاکرات سے انکار نہیں کر رہا ہے مگر امریکہ اور اس کے ساتھ خاص طور پر برطانیہ اس عزم کا اظہار کر رہے ہیں کہ یوکرین وہ میدان ہے جہاں روس کو پھنسا کر بڑے ممالک کی فہرست سے باہر کیا جائے۔ ارادوں کی اس کشمکش میں یوکرین کے میدان میں کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے اور معاملات مکمل طور پر الٹ پلٹ ہو سکتے ہیں۔

14۔ آخر میں آج دنیا کے بڑے ممالک اپنے وحشیانہ لالچ کی وجہ سے دست و گریبان ہیں اور ہر قسم کی انسانی اور اخلاقی اقدار سے محروم ہیں۔ اگر ان کا ہدف پورا ہوتا ہو تو ان کے لیے ظلم عدل ہے چاہے اس سے دوسروں کو نقصان پہنچے، چاہے وہ سرتاپا شر ہو۔ ان ممالک نے زمین کو فساد سے بھر دیا ہے۔ دنیا ان کے زوال اور اللہ رب العالمین کی مدد اور خلافت کی جدوجہد کرنے والوں کی محنت سے نبوت کے نقش قدم پر خلافت راشدہ کے دوبارہ قیام سے ہی بہتر ہو سکتی ہے ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ **"اس دن مؤمن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، وہی جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہی غالب اور رحم والا ہے"** (الروم، 4-5)۔

6 ربیع الاول 1444 ہجری

2022/10/2

فہرست

سوال کا جواب اسلامی عقیدے کی تعریف اور متکلمین

(عربی سے ترجمہ)

ابن منصور کیلئے

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے معزز شیخ! اللہ برکت دے، اللہ آپ کی محنت کو قبول کرے اور آپ کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا دے، میرے دو سوال ہیں۔ دو سوالوں کا بوجھ ڈالنے پر معذرت خواہ ہوں۔

1۔ شخصیہ جزو اول میں اسلامی عقیدے کے باب میں یوں آیا ہے: "اسلامی عقیدہ اللہ پر ایمان ملائکہ، کتابوں، رسولوں، قیامت کے دن اور خیر و شر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان ہے"۔

اور اس کے آخری باب میں آیا ہے: "جہاں تک قضاء و قدر پر اس نام کے ساتھ ایمان کا مسئلہ ہے جس کے مفہوم میں اختلاف اور اس حوالے سے کوئی قطعی نص موجود نہیں۔ تاہم یہ اصطلاح جس طرف اشارہ کرتی ہے، اس پر ایمان لازمی ہے اور یہ عقیدے کا حصہ ہے"۔

یہ بات معلوم ہے کہ عقیدے کی دلیل عقلی بھی ہے نقلی بھی۔

اس باب میں آیا ہے: "جہاں تک قضاء و قدر کی بات ہے اس کی دلیل عقلی ہے"، جبکہ میں نے ہماری ثقافت میں پڑھا ہے کہ عقیدے میں قطعی کے علاوہ کوئی چیز نہیں آتی۔ میں نے ہماری ثقافت میں یہ سمجھا ہے کہ قضاء و قدر کیا

ہے اور یہ بھی سمجھا ہے کہ اس کی دلیل عقلی اور قطعی ہے۔ مگر یہ سوال ان جماعتوں کے بارے میں پیدا ہوا جو ارادے کی آزادی اور مجبوری کی بات کرتے تھے۔ جو یہ بات کرتے تھے ہم ان کو کیسے دیکھتے ہیں؟ حالانکہ وہ قضاء وقدر کے عقیدے کے حوالے سے تذبذب کا شکار تھے، ان میں سے علماء میں سے کسی نے بھی دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔

اس بات کی وضاحت مطلوب ہے کہ ہم ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیونکہ قضاء وقدر پر ایمان عقیدے میں سے ہے اور اس پر ایمان فرض ہے۔

2۔ شخصیہ اسلامیہ کے جزو اول صفحہ 68 میں آیا ہے کہ: (اللہ کے عدل کے بارے میں معتزلہ کا نظریہ تھا کہ اللہ ظلم سے پاک ہے۔۔۔ انہوں نے غائب کو موجود پر قیاس کیا، اللہ تعالی کو انسان پر قیاس کیا۔۔۔ انہوں نے بالکل یونانی فلسفیوں کی طرح اللہ تعالی کو اس جہاں کے قوانین کا پابند ٹھہرایا"۔ شیخ تقی الدین النبھانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے غلطی کی اور غائب غیر محسوس کو موجود محسوس پر قیاس کیا۔ اس باب میں یہ بات کرنے کے بعد شیخ رحمہ اللہ آنے والے باب "ہدایت اور گمراہی" کے معنی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی ہی نے ہدایت اور گمراہی کو پیدا کیا ہے اور بندہ ہدایت اور گمراہی میں سے ایک کو اختیار کرتا ہے، ان دونوں کے قرائن کا ذکر کیا ہے یعنی شرعی اور عقلی اور عقلی قرینہ یہ واضح کرتا ہے کہ (اللہ تعالی انسانوں کا محاسبہ کرے گا، ہدایت پانے والے کو جزا اور گمراہی اختیار کرنے والے کو سزا دے گا۔۔۔ ہدایت اور گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو پھر اللہ کی جانب سے کافر منافق اور گنہگار کو سزا دینا ظلم ٹھہرے گا، اللہ تو ظلم کبھی نہیں کرتا)۔

مجھے ایسا لگا کہ یہ قول شیخ کے معتزلہ کی جانب سے اللہ کے عدل کو انسانوں کے عدل پر قیاس کرنے کے سابقہ قول سے متصادم ہے۔ ہم بغیر شرعی دلیل کے عقلی طور پر کیسے اللہ کے عدل کو محسوس کر سکتے ہیں، پھر کہیں کہ کافر منافق اور گنہگار کو سزا دینا ظلم ہے؟

آپ کا بھائی ابو زید

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

پہلا: جو اسلامی عقیدہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں معروف تھا وہ اللہ پر ایمان، ملائکہ پر، کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور خیر وشر کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے: **﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيداً﴾ "اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی اور ان کتابوں پر جو اس نے پہلے نازل کی، جو انکار کرے گا اللہ، اس کے ملائکہ کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا"** (النساء: 136)۔ اسی طرح ان پانچوں کے ساتھ (قدر بمعنی اللہ کے علم اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کا اضافہ کیا جاتا ہے۔۔۔) یہ سب رسول اللہ ﷺ کے عہد میں معروف تھا جیسا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں بیان کیا میں اس حوالے یہ کچھ پیش کرتا ہوں:

1۔ اللہ سبحانہ وتعالی کی کتاب سے **﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ "اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے"** (الانعام: 101)۔ اسی طرح اللہ تعالی کا یہ فرمان **﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ "کہ دیجئے کہ ہمارے ساتھ وہی ہوگا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھا ہے، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومن اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں"** (التوبہ: 51)، اس کے معنی اللہ کا علم اور لوح محفوظ لکھنا ہے۔۔۔

2۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے: مسلم نے اپنی صحیح میں سابقہ پانچ امور کے ساتھ اضافہ کرتے ہوئے عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے کہ: (مجھے میرے والد عمرؓ بن خطاب نے بتایا کہ ایک دن جس وقت ہم

رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے بالکل سفید کپڑے پہنے ہوئے بالکل سیاہ بالوں والا ایک شخص آیا جس پر سفر کا کوئی اثر نہیں تھا اور ہم میں سے کوئی اس کو جانتا بھی نہیں تھا۔ وہ نبی ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا اپنے زانو آپ کے زانوں کی طرف کیا، اپنے ہاتھ آپ ﷺ کی ران پر رکھ لیا اور کہا محمد ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں بتاؤ۔۔۔ مجھے ایمان کے بارے میں بتاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **(أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ... ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنْ السَّائِلُ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ)** "یہ کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور قدر کے خیر و شر پر، انہوں نے کہا تم نے سچ کہا۔۔۔ پھر مجھ سے فرمایا، "اے عمر تمہیں معلوم ہے کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟" میں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، فرمایا: "یہ جبریل تھے، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے")۔

قدر یہاں اللہ کا علم اور لوح محفوظ میں لکھنا ہے، قضاء و قدر کا وہ اصطلاحی معنی نہیں، یہ نام (قضاء و قدر کی اصطلاح بمعنی افعال کی تخلیق اور ان کی انجام دہی اور اشیاء کے خواص کی تخلیق اور پیدائش معروف نہیں تھا۔۔۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں کہا ہے) رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد میں یہ معروف نہیں تھا یہ تابعین کے عہد میں مشہور ہوا، یہ مسئلہ سامنے آیا اور اس پر بحث شروع ہو گئی اس وقت سے یہ زیر بحث رہا پھر متکلمین نے اس کو اپنی بحث کا موضوع بنایا۔

رہی یہ بات کہ عقیدہ کے دلائل قطعی ہیں تو یہ بات تمام مسلمانوں کے نزدیک درست ہے اور اس کا منکر کافر ہے، مگر یہ اصطلاحی معنی کے قضاء و قدر کے موضوع پر لاگو نہیں ہوتا جس کو یونانی فلسفے سے ترجمہ کیا گیا یہ اور یہ وہ موضوع ہے جس کے معنی میں اختلاف ہے:

☆ جس نے اس کو صحیح طریقے سے سمجھا اور اس پر قطعی دلائل قائم کی، وہ اس پر ایسا ہی ایمان رکھتا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم نے اس کو عقیدے کی بحث میں شامل کیا۔۔۔

☆اور جنہوں نے اس کو گڈ مڈ کیا اور اس کو سمجھ نہ سکے جیسے معتزلہ، جبریہ انہوں نے فعل کی تخلیق، فعل کی انجام دہی اور ثواب وعقاب کو خلط ملط کر دیا۔۔ چنانچہ معتزلہ نے کہا کہ انسان اپنے ارادے سے اپنے افعال کو خود تخلیق کرتا ہے جس پر اس کو جزا یا سزا ملتی ہے، جبریہ کہتے ہیں کہ انسان کے افعال کا خالق اللہ ہے اس وجہ سے انسان مجبور اور فضاء میں اڑنے والے پَر کی طرح ہے، یہ اور وہ دونوں نے فعل کی انجام دہی اور فعل کی تخلق جو کہ اللہ کی صفت ہے، وہی ہر چیز کا خالق ہے، اس کو خلط ملط کیا، یہ اور وہ دونوں نے مسئلے کو سمجھنے میں غلطی کی اس لیے غلط آراء لے آئے، اس لیے ہم ان کو کافر نہیں کہتے بلکہ یہ سب مسلمان ہیں لیکن اس مسئلے میں غلطی کر بیٹھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جبریہ اور معتزلہ جنہوں نے (اصطلاحی معنی کے قضاء وقدر) کو سمجھنے میں اختلاف کیا، ان کو کافر نہیں کہا جاسکتا بلکہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ان کی رائے غلط ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری رائے قطعی ہے اسی لیے ہم قضاء وقدر پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں واضح کیا ہے، اور جنہوں نے اس کو ایسا نہیں سمجھا جیسا ہم سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ ان کی رائے غلط ہے مگر ان کو کافر نہیں کہتے۔۔۔

دوسرا: عدل اور ظلم کے بارے میں آپ کا سوال:

معتزلہ نے اللہ تعالی کے افعال کو انسان کے افعال پر قیاس کرتے ہوئے عقل کو حاکم بنایا، یہ سراسر غلط ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی اور اس کے افعال کو محسوس نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس حوالے سے قرآن اور سنت کے نصوص کے مطابق ہی توقف کیا جائے گا، اس وجہ سے جب ہم نے اس مسئلے پر بحث کی تو پہلے اللہ کے افعال کے بارے میں شرعی دلائل قائم کیے، اس کے بعد ان عقلی دلائل کا بھی ذکر کیا جو اس کی تائید کرتے ہیں یعنی نفی اور اثبات میں، اصل وہی ہے جو شریعت نے کہا ہے پھر اگر بعض پہلوؤں پر عقلی دلائل پائے جائیں تو شرعی دلیل کی تائید کے لیے ان کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔

یہی وجہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کے حوالے سے اس مسئلے کے بارے میں بحث کے دوران ہم نے شخصیہ جزو اول میں ہم نے کہا:

(مگر ایسی آیات ہیں جو ہدایت اور گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف کرنے پر دلالت کرتی ہیں، جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی بندے کی طرف سے نہیں اللہ کی طرف سے ہے، دوسری آیات بھی ہیں جو ہدایت اور گمراہی کی بندے کی طرف نسبت پر دلالت کرتی ہیں جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی بندے کی طرف سے ہے۔ یہ آیات ہوں یا وہ آیات، ان سب کو تشریعی طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے بایں معنی کہ ان کی تشریعی حقیقت کو سمجھنا ہے جس کے لیے یہ نازل کی گئیں، تب ہی یہ واضح ہو گا کہ ہدایت اور گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کا ایک مدلول ہے جو ہدایت اور گمراہی کی نسبت بندے کی طرف کرنے کے مدلول سے الگ ہے، ان میں سے ہر ایک کا الگ پہلو ہے جو دوسرے پہلو سے مختلف ہے، اسی طرح اس کا تشریعی معنی مکمل طور پر نمایاں ہو گا۔ جی ہاں وہ آیات جن میں ہدایت اور گمراہی کی نسبت صراحتاً اللہ کی طرف کی گئی ہے کہ وہی ہدایت دیتا ہے وہی گمراہ کرتا ہے: ﴿**قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِىٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ**﴾ **"کہ دو کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے"** (الرعد: 27)۔

اور فرمایا: ﴿**إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ**﴾ **"یقیناً جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا بلکہ جسے اللہ چاہے ہدایت دے سکتا ہے"** (القصص: 56)۔ ان آیات کے منطوق واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ ہدایت کا فعل اللہ کا ہے بندے کا نہیں، یعنی بندہ خود ہدایت نہیں پا سکتا بلکہ وہ تب ہدایت پا سکتا ہے جب اللہ اس کو ہدایت دے، اور جب اللہ اس کو گمراہ کرے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس منطوق کے معنی کو ہدایت اور گمراہی کو براہ راست اللہ سے منسوب کرنے سے موڑ کر دوسرے معنی میں کرنے کے قرائن موجود ہیں، وہ یہ کہ ہدایت اور گمراہی کی تخلیق تو اللہ کی طرف سے ہے جبکہ ہدایت اور گمراہی میں سے ایک کو اختیار کرنا بندے کا فعل ہے۔ یہ قرائن شرعی بھی ہیں عقلی بھی۔

جہاں تک شرعی قرائن کی بات ہے تو کئی آیات ہیں جن میں ہدایت اور گمراہی کی نسبت بندے کی طرف کی گئی ہے۔اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿مَّنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ **"جو ہدایت پاتا ہے اپنے لیے ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہے"**(یونس:108)،اور فرمایا: ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ **"اگر تم ہدایت یافتہ ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تمہارے لیے نقصان دہ نہیں"**(المائدہ:105)،اور فرمایا: ﴿فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ﴾ **"جس نے ہدایت پائی تو اسی کے لیے ہے"**(الزمر:41)،اور فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ * كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ **"کچھ لوگ بغیر علم کے اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں اس کے لیے یہ لکھ دیا گیا ہے جو بھی اس کو دوست بنائے گا وہ اس کو گمراہ کرے گا اور اس کو دہکتی ہوئی آگ کے عذاب میں پہنچائے گا"**(الحج:4-3)،اور فرمایا: ﴿وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ﴾ **"اور شیطان ان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے"**(النساء:60)۔

یوں ان آیات کے منطوق میں واضح دلالت موجود ہے کہ ہدایت اور گمراہی خود انسان کا فعل ہے انسان خود گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اور شیطان بھی گمراہ کرتا ہے، ہدایت اور گمراہی کی نسبت انسان اور شیطان کی طرف کی گئی اور یہ کہ انسان خود ہدایت حاصل کرتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے۔یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف کرنا براہ راست نہیں بلکہ تخلیق کے لیے ہے۔ان آیات کو آپس میں ملانے اور تشریعی طور پر سمجھنے سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں کے الگ الگ پہلو ہیں، چنانچہ آیت کہتی ہے: ﴿قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ﴾ **"اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے"**(یونس:35)،دوسری آیت کہتی ہے: ﴿فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ﴾ **"جو ہدایت پاتا ہے اپنے لیے ہدایت پاتا ہے"**(یونس:108)۔پہلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہدایت اللہ دیتا ہے جبکہ دوسری آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہدایت انسان خود حاصل کرتا ہے۔پہلی آیت میں ہدایت کے اللہ کی طرف سے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انسان کے اندر اللہ کی ہدایت کی تخلیق ہے یعنی ہدایت کی

قابلیت کو وجود میں لایا گیا ہے، دوسری آیات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان خود ہی اللہ کی طرف سے پیدا کی گئی ہدایت کی قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ہدایت پاتا ہے، اسی لیے ایک اور آیت میں فرمایا: ﴿**وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ**﴾ **"ہم نے اس کو دونوں راستے بتادیے"**(البلد:10)، یعنی خیر کا راستہ اور شر کا راستہ، یعنی ہم نے اس کے اندر ہدایت کی قابلیت پیدا کی اور اس کو چھوڑا کہ وہ خود ہدایت حاصل کرتا ہے، چنانچہ یہ آیات جن میں ہدایت اور گمراہی کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے ہدایت کو اللہ سے انسان کی طرف پھیرنے پر دلالت کرنے والا شرعی قرینہ ہیں۔

جہاں تک عقلی قرینہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی بندوں کا محاسبہ کرتا ہے پھر ہدایت یافتہ کو جزاء اور گمراہ کو سزا دیتا ہے اور حساب کو انسان کے اعمال پر مرتب کیا، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿**مَّنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ**﴾ **"جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنے لیے اور جو برائی کرتا ہے تو اپنے خلاف تیرا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"**(فصّلت:10)، اور فرمایا: ﴿**فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ * وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ**﴾ **"جو ذرہ برابر بھلائی کرے گا اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اس کو دیکھ لے گا"**(الزلزلہ:7)، اور فرمایا: ﴿**وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْماً وَلَا هَضْماً**﴾ **"اور جو نیک اعمال کرے اور مومن بھی ہو تو اس کو ظلم وزیادتی کا کوئی خوف نہیں"**(طہ:112)، اور فرمایا: ﴿**مَن يَعْمَلْ سُوءاً يُجْزَ بِهِ**﴾ **"جو برے اعمال کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا"**(النساء:123)، اور فرمایا: ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا**﴾ **"اللہ نے منافق مردوں منافق عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے"**(التوبہ:68)۔

اگر ہدایت اور گمراہی کی نسبت براہ راست اللہ کی طرف کی جائے تو پھر اللہ کی جانب سے کافر منافق اور گنہگار کو سزا دینا ظلم ہوگا، جبکہ یہ اللہ تعالی کے شان کے خلاف ہے۔ اس لیے اس کے معنی کو اس طرح سمجھنا ضروری ہے کہ

ہدایت کو عدم سے وجود میں لانے والے اور اس کی توفیق دینے والے اللہ ہیں مگر براہ راست ہدایت یا گمراہی میں سے ایک کو اپنانے والا بندہ ہے اسی وجہ سے اس کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔

یہ ان آیات کے متعلق ہے جن میں ہدایت اور گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ رہی بات ان آیات کی جن میں ہدایت اور گمراہی کو اللہ کی مشیت سے جوڑ دیا گیا ہے، ﴿يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ **"اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے"** (فاطر: 8)، یہاں مشیت سے مراد ارادہ ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کوئی بھی اللہ پر زبردستی کر کے ہدایت حاصل نہیں کر سکتا، نہ ہی کوئی اللہ کو مجبور کر کے گمراہ ہو سکتا ہے بلکہ جو بھی ہدایت حاصل کرتا ہے یہ اللہ کے ارادے کے مطابق ہی ہوتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے یہ اللہ کے ارادے کے مطابق ہی ہوتا ہے)۔

معتزلہ نے اس مسئلے میں عقل کو فیصلہ کن قرار دیا جس کا ذکر ہم نے اپنی اسی کتاب میں کیا ہے:

(اللہ کے عدل کے حوالے سے معتزلہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ وہ ظلم سے پاک ہے، انہوں نے اللہ کی پاکی اور اللہ کے عدل کے بارے ایسا موقف اختیار کیا جو اللہ کی جانب سے ثواب اور عقاب سے متفق ہو۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ اللہ کے عدل کا معنی تب ہی ہو گا کہ جب انسان کو ارادے کی آزادی حاصل ہو، وہ اپنے اعمال کا خود خالق ہو اور اس کے لیے کسی کام کو کرنا یا اس کو ترک کرنا ممکن ہو۔ جب وہ اپنے ارادے سے کرے گا اور اپنے ارادے سے ترک کرے گا تب ہی اس کو جزا ملنا یا سزا ملنا معقول اور عدل ہے۔ ورنہ اگر اللہ انسان کو پیدا کر کے اس کو ایک خاص طرح کام کرنے پر مجبور کرتا ہے تو مطیع اطاعت پر اور نافرمان نافرمانی پر مجبور ہوتا ہے، پھر ایک کو سزا اور دوسرے کو جزا دینا عدل نہیں۔ انہوں نے غائب کو شاہد (موجود) پر قیاس کیا اللہ تعالی کو انسان پر قیاس کیا، اللہ تعالی کو اس جہاں کے قوانین کے تابع کیا بالکل اسی طرح جس طرح یونانی فلسفیوں نے کیا۔ اللہ کو ایسے عدل کا پابند کر دیا جس کا تصور انسان کرتا ہے، یوں بحث کی اصل بندے کے فعل پر اللہ کی طرف سے ثواب اور عقاب ہے، بحث کا یہ وہ موضوع ہے جس کو "قضاء وقدر" کا نام دیا گیا

یا "جبر اور اختیار" یا "ارادے کی آزادی" کہا گیا۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کافر کے لیے کفر اور گنہگار کے لیے گناہ، اللہ کا ارادہ ہو تا یعنی اللہ ان کو کفر اور گناہ سے منع نہیں کرتا، اس کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ ابو لہب کے لیے کفر کا ارادہ کرے پھر اس کو ایمان لانے کا بھی حکم دے اور کفر سے منع کرے؟ مخلوق میں سے بھی کوئی یہ کرے وہ احمق ہو گا، اللہ تو اس سے بلند و برتر ہے۔ اگر کافر کا کفر اور نافرمان کی نافرمانی اللہ کے ارادے سے ہوتے تو وہ سزا کے مستحق نہ ہوتے۔۔۔

رہی بات افعال کی تخلیق کی تو اس بارے میں معتزلہ نے کہا کہ بندوں کے افعال انہی کی مخلوق ہیں یہ انہی کے عمل ہیں اللہ کے عمل نہیں، یہ انہیں کی قدرت میں ہے کہ ان کو انجام دیں یا ان کو چھوڑ دیں اللہ کی قدرت کا اس میں دخل نہیں۔۔۔ اسے خلاصہ کر کے خلقِ افعال کی رائے کو اپنایا، جو یہ ہے کہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے وہ فعل کو کرنے پر بھی قادر ہے اور نہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ متکلمین کی پیروی کرتے ہوئے اس مسئلے اور اس کی جزئیات پر بحث کرتے ہوئے ان کے نزدیک خلقِ افعال کے مسئلے سے تولد (پیدائش) کا مسئلہ سامنے آیا۔ معتزلہ نے جب یہ فیصلہ کر لیا کہ انسان کے افعال اسی کی مخلوق ہیں تو اس سے یہ سوال پیدا ہو: انسان کے عمل سے پیدا ہونے والے اعمال کے بارے میں کیا رائے ہے؟ یعنی کیا وہ بھی انسان کی تخلیق سے ہے؟ یا وہ اللہ کی تخلیق سے ہیں؟ جیسا کہ وہ درد جو مار کھانے والا محسوس کرتا ہے۔ یا وہ ذائقہ جو کسی چیز کے اندر انسانی فعل سے پیدا ہوتا ہے، وہ کاٹ جو چھری سے حاصل ہوتی ہے، اسی طرح لذت، صحت، شہوت، حرارت، برودت، رطوبت، خشکی، بزدلی، شجاعت، بھوک، پیٹ بھرنا، وغیرہ، انہوں نے کہا کہ یہ سب انسانی فعل سے ہیں کیونکہ انسان فعل کی انجام دہی کے ذریعے ان کو وجود میں لاتا ہے، یہ انسانی فعل سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے یہ اسی کی مخلوق ہیں)۔۔۔

یوں معتزلہ کی رائے اللہ کے افعال کے بارے میں عقل کو فیصلہ کن بنانے پر قائم ہے حالانکہ وہ ان افعال کی حقیقت کو نہیں جانتے، اس لیے ان کے بارے میں غیر حقیقی رائے قائم کی جیسا کہ اسی کتاب میں آیا ہے: (وہ اس بات کو نہیں سمجھ پائے کہ اللہ کے عدل کو انسان کے عدل پر قیاس کرنا درست نہیں اور اللہ کو اس جہاں کے قوانین کے

ماتحت کرنا جائز نہیں وہی تو اس جہاں کا خالق ہے وہی تو ان قوانین کے ذریعے اس جہاں کی تدبیر کرتا ہے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب انسان کی نظر تنگ ہو جاتی ہے تو وہ عدل کے معنی کو محدود کرتا ہے اور اشیاء پر متعین حکم لگاتا ہے، جب اس کی نظر میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو عدل کے بارے میں اس کی نظر میں وسعت آتی ہے اور اس کا حکم بھی تبدیل ہوتا ہے، پھر ہم اس رب العالمین کو، جس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اسے کیسے قیاس کر سکتے ہیں اور اس کے عدل کو وہی معنی دے سکتے ہیں جس کو ہم عدل سمجھتے ہیں؟)

اس وجہ سے عقل اللہ کے افعال پر حکم لگانے کی طاقت نہیں رکھتی، اللہ کے افعال عقل کی قدرت اور حکم (اس کے دائرہ کار) سے ہی باہر ہیں اس لیے عقل کو شریعت سے الگ کر کے اللہ کے افعال پر حکم لگانے کی صلاحیت دینا درست نہیں۔

یہ وہ ہے جس کا ذکر ہم نے اپنی کتابوں میں کیا ہے، ہم نے اللہ کے افعال کے بارے میں شرعی دلائل قائم کیے ، پھر اس کی تائید کرنے والے عقلی دلائل کا ذکر کیا۔۔۔

امید ہے یہ وضاحت کافی ہے، اللہ ہی زیادہ علم اور حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

8 جمادی الاولی 1443ھ

بمطابق 12 دسمبر 2021ء

فہرست

سوال وجواب: سونا بیچنا

(عربی سے ترجمہ)

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میرے محترم بھائی، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، کہ سونا بیچنے میں مؤخر ادائیگی کا رکھنا صحیح نہیں، یہ دست بدست یعنی ایک ہاتھ سے دو اور دوسرے ہاتھ سے لو والا معاملہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ کیا زیورات پر بھی یہی حکم لگتا ہے؟

اس سوال کا مندرجہ ذیل واقع کے ساتھ تعلق ہے:

عام طور پر جو سونا زیورات کی شکل میں بکتا ہے، وہ 18 قیراط کا ہوتا ہے، نہ کہ 24 قیراط کا۔

24 قیراط 99.9 فیصد خالص سونا ہوتا ہے، جس میں اس کی ڈھلائی مشکل ہوتی ہے۔ جبکہ 18 قیراط والے سونے میں 75 فیصد سونا ہوتا ہے، باقی 25 فیصد دیگر دھاتیں شامل ہوتی ہیں جیسے تانبا (Copper) یا لوہا، جس کی وجہ سے سونا سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ سونے کو شامل کی گئی دھات کے مطابق رنگ دیا جائے۔ لیکن جب اس زیور کو جیولری والے فروخت کرتے ہیں تو اس میں سونے کی قیمت میں اس کے وزن کے حساب سے ڈھلائی کا اضافی خرچہ شامل کرتے ہیں۔

تو کیا اس حالت میں زیورات کو کسی بھی دیگر سامان کی طرح، جس میں سونا ہوتا ہے، سمجھ کر اس کو ادھار یا مؤخر ادائیگی سے بیچنا جائز ہوگا؟ یا 75 فیصد سونا ہونے کی وجہ سے اسے اب بھی سونا ہی کہا جائے گا اور سونے والا حکم ہی لاگو ہوگا؟

ایک اور مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جب جیولری والے زیور فروخت کرتے ہیں، مثلا کنگن یا کڑے کی شکل میں، تو اس میں تالے کی طرح چھوٹا سا ایک ٹکڑا ہوتا ہے، وہ سونے کا نہیں ہوتا، بلکہ پلاٹینم کا یا زرقون وغیرہ کا ہوتا ہے، جبکہ اس کو وزن میں شمار کیا جاتا ہے، اس کو سونے کی قیمت کے ساتھ شامل کر دیا جاتا ہے، یعنی سونے کے بھاؤ میں فروخت ہوتا ہے، تو کیا یہ درست ہے؟ کیونکہ یہ نہایت چھوٹا ٹکڑا ہوتا ہے، یا اس کی الگ قیمت لگانا ضروری ہے؟ یا سنار کی مزدوری سمجھا جائے؟ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

بارک اللہ بکم و جزاک اللہ خیراً

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جواب سے قبل آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا کہ سودی اشیاء کے تبادلے کے احکامات میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ایک چیز کی نسل عمدہ اور دوسری کی کم تر ہے۔ سودی تبادلے وہ ہی ہیں جو النسائی کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے، عن عبادة بن الصامت أن رسول الله ﷺ قال: **((الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ تِبْرُهُ وَعَيْنُهُ وَزْنًا بِوَزْنٍ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ تِبْرُهُ وَعَيْنُهُ وَزْنًا بِوَزْنٍ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى))** "عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **سونے کو سونے کے بدلے بیچو، خواہ سکے ہوں یا خام ہو۔ چاندی کو چاندی کے بدلے بیچو، خواہ سکے ہوں یا خام ہو۔ نمک کے بدلے نمک، کھجور کے بدلے کھجور، گندم کے بدلے گندم، جَو کے بدلے جَو کو بیچو، برابر برابر اور یکساں۔ سو جس نے اضافہ کیا یا اضافہ لیا تو وہ سود میں پڑ گیا"۔**

توجب آپ ان سودی انواع میں سے کسی نوع کو اس کی جنس کے بدلے بیچنا چاہیں، تو اس میں وزن میں برابری واجب ہے، چاہے ایک کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو، پس عمدہ کھجور کے ایک کلو کے بدلے کم تر کوالٹی کی کھجور کے دو کلو فروخت کرنا جائز نہیں، اسی طرح ایک کلو عمدہ اور خالص گندم کے بدلے کم تر قسم کے دو کلو گندم لینا دینا جائز نہیں، اسی طرح جو، نمک اور سونا۔ پس خالص سونے کی ڈلی کو غیر خالص سونے کی ڈیڑھ ڈلی کے بدلے فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ برابر ہونا، یعنی ہموزن ہونا ضروری ہے۔

تبادلے کے ساتھ مخصوص یہ احکام سونے چاندی کے دیگر معاملات سے مختلف ہیں، مثلاً زکوٰۃ میں خالص سونے اور خالص چاندی کا ہی حساب لگایا جائے گا، پس 24 قیراط کے سونے کی ڈلیوں کی زکوٰۃ 18 قیراط والے سونے کی ڈلیوں سے مختلف ہے، اس لیے نصاب کے حساب کے وقت خالص سونے کا وزن دیکھا جائے گا، چنانچہ 24 قیراط سونے کا نصاب 85 گرام ہے، اور 18 قیراط سونے کا نصاب اس سے زیادہ ہوگا، کیونکہ یہ سونے کے علاوہ دیگر دھاتوں (Non- gold materials) چوتھائی کے حساب سے مکس ہوئے ہوتے ہیں، یعنی 18 قیراط والے سونے میں خالص سونا 24 قیراط کے سونے کے تین چوتھائی کے برابر ہوتا ہے، (ظاہر ہے کہ 18 قیراط والے میں 24 قیراط والے سونے سے کم سونا ہوتا ہے)۔ اس بنا پر 18 قیراط سونے کا نصاب 85 گرام بشمول اس کے تہائی حصے کے ہوگا یعنی 113.33 گرام ہوگا۔ اس بنا پر جو شخص 24 قیراط کے 85 گرام خالص سونے کا مالک ہو تو یہ مالکِ نصاب ہے، جب اس سونے پر سال گزر جائے تو وہ 2.5 فیصد کی شرح سے اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا، لیکن جو شخص 18 قیراط والے سونے کے 85 گرام کا مالک ہوگا تو وہ نصابِ زکوٰۃ کا مالک نہیں، تاآنکہ اسی قیراط کے 113.33 گرام سونے کا مالک بن جائے، تو جب اس پر سال گزر جائے تب 2.5 فیصد کے حساب سے اسی وزن کی زکوٰۃ ادا کرے، یہاں یہ واضح ہو گیا کہ زکوٰۃ میں خالص سونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

تبادلے کے ساتھ مخصوص احکامات ہیں، تو سودی نوع جیسی بھی ہو، خواہ خالص ہو یا غیر خالص، عمدہ ہو یا کم تر، کھرا ہو یا ملاوٹ شدہ، تبادلے کے وقت برابر برابر ہونا چاہیے، بشرطیکہ ایک ہی نوع کی کسی سودی نوع کا آپس میں تبادلہ کیا

جائے، لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ خالص اور غیر خالص آپس میں گڈ مڈ کیا گیا ہو، یعنی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں، جبکہ اس ملاوٹ شدہ سونے میں اکثریتی مقدار سونے کی ہونی چاہیے، اسی وجہ سے اسے سونا کہا جاتا ہے۔

اس پر دلیل وہ حدیث ہے جسے ابو سعید الخدری نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: **جَاءَ بِلَالٌ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مِنْ أَيْنَ هَذَا؟» فَقَالَ بِلَالٌ: "تَمْرٌ كَانَ عِنْدَنَا رَدِيءٌ، فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِمَطْعَمِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ عِنْدَ ذَلِكَ: «أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا، لَا تَفْعَلْ، وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ التَّمْرَ فَبِعْهُ بِبَيْعٍ آخَرَ، ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ»** "بلالؓ کھجور لے کر آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: کہاں سے لائے ہو؟ بلال نے عرض کیا: ہمارے پاس کچھ سوکھی کھجور پڑی تھیں، میں نے اس میں سے نبی ﷺ کو کھلانے کے لیے دو صاع ایک صاع تازہ کھجور کے بدلے بیچ دیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اوہ، یہ تو نرا سود ہے، ایسا مت کرو، بلکہ جب آپ تازہ کھجور خریدنا چاہیں تو پہلے سوکھی کھجور کو بیچ دو، پھر (اس کی قیمت سے تازہ کھجور) خریدو"۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔ اسی طرح ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: **«أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا؟»**، قَالَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلاَثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: **«لاَ تَفْعَلْ، بِعِ الجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا»** "رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے علاقے پر ایک آدمی کو عامل بنا کر بھیجا، وہ آدمی جنیب کھجور لایا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟** اس نے کہا: نہیں یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس کھجور کا ایک صاع دو صاع کھجور دے کر لیتے ہیں، اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ایسا نہ کرو، سارا کھجور درہموں کے بدلے بیچو، پھر درہموں کے بدلے جنیب کھجور خریدو**" (متفق علیہ)

یہ حدیثیں تمام سودی اصناف پر لاگو ہوتی ہیں، کتاب 'اسلام کا اقتصادی نظام' میں یوں آیا ہے:

اور جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے ایک کھرا دینار دو ملاوٹ شدہ دینار کے بدلے خرید لے، تو یہ جائز نہیں، لیکن اگر ایک کھرا دینار چاندی کے کئی درہموں کے بدلے خریدا، پھر ان درہموں سے دو ملاوٹ شدہ دینار خرید لے تو یہ جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو سعید نے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: **جَاءَ بِلَالٌ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مِنْ أَيْنَ هَذَا؟» فَقَالَ بِلَالٌ: "تَمْرٌ كَانَ عِنْدَنَا رَدِيءٌ، فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِمَطْعَمِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ عِنْدَ ذَلِكَ: «أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا، لَا تَفْعَلْ، وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ التَّمْرَ فَبِعْهُ بِبَيْعٍ آخَرَ، ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ»"** بلال کھجور لے کر آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: کہاں سے لائے ہو؟ بلال نے عرض کیا: ہمارے پاس کچھ سوکھی کھجور پڑی تھیں، میں نے اس میں سے نبی ﷺ کو کھلانے کے لیے دو صاع ایک صاع تازہ کھجور کے بدلے بیچ دیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اوہ، یہ تو نرا سود ہے، ایسا مت کرو، بلکہ جب آپ تازہ کھجور خریدنا چاہیں تو اس سوکھی کھجور کو بیچ دو، پھر (اس کی قیمت سے تازہ کھجور) خریدو"۔ اسی طرح ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے: **أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا؟»**، قَالَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلاَثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: **«لاَ تَفْعَلْ، بِعِ الجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا»** "رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے علاقے پر ایک آدمی کو عامل بنا کر بھیجا، وہ آدمی جنیب کھجور لایا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟** اس نے کہا: نہیں یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس کھجور کا ایک صاع دو صاع کھجور دے کر لیتے ہیں، اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ایسا نہ کرو، سارا کھجور درہموں کے بدلے بیچنا، پھر درہموں کے بدلے جنیب کھجور خریدو"** (متفق علیہ)۔

اس تمام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سودی نوع کا تعلق ایک جیسی جنس سے ہے، پھر ان کا ہم وزن ہونا ضروری ہے، پھر چاہے ان کی کوالٹی عمدہ ہو یا خراب، اور یہ نوع وہ ہی ہیں جن کا نام حدیث میں آیا ہے یعنی سونا کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جَو کے بدلے جَو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک۔

اسی بناپر آپ کے سوال کا جواب کچھ اس طرح سے دیں گے :

1- چاندی یا سونے سے بنے زیورات کا قیراط چاہے کچھ بھی ہو ،ان کو ان کے ہم جنس کے ساتھ تبادلے کے وقت یہ ضروری ہے کہ دونوں برابر برابر ہوں، مثلاً راشدی سونے کو کنگن وغیرہ سے تبدیل کرتے وقت ،اس کا قیراط 21 ہو یا 18 ، یہ ضروری ہے کہ یہ دونوں وزن میں برابر ہوں ،اور ان میں سے ایک کا دوسرے سے زیادہ ہونا درست نہیں، خواہ یہ زیادتی کاریگر کی اجرت کے طور پر ہو یا نفع لینے کے لیے ہو۔اس حالت میں حل یہ ہے کہ : اگر بیچنے والا یا خریدنے والا برابر برابر نہ لینا دینا چاہے ، تو حل یہ ہے کہ سونے کی ڈلی کو نقدی کے بدلے فروخت کیا جائے پھر اس نقدی سے کنگن یا ہار وغیرہ خریدا جائے۔

2- سونے کے کنگن خریدتے وقت جس میں کسی اور دھات کا لاک لگا دیا گیا ہو ،اور اس کے ساتھ خلط ملط نہ کیا گیا ہو ،یعنی اس کو اس کنگن سے الگ کیا جا سکتا ہے ، تو اس صورت میں اس کو الگ کیا جائے گا اور سونے کا الگ وزن کیا جائے گا، پھر اس کو اپنے ہی جنس کے بدلے برابر برابر بیچا جائے گا۔اور وہ لاک باہمی طے شدہ قیمت پر الگ فروخت کیا جائے گا۔ یہ اس وقت ہے جب سونے کے کنگن سونے کے بدلے خریدے یا بیچے جائیں۔

جب آپ سونے کے کنگن (بریسلٹ) خریدنا چاہیں ،اور اس میں سونے کے علاوہ کسی اور دھات کا ٹکڑا بھی ہو ،اور آپ اس کو نقدی دے کر خریدنا چاہتے ہو ، تو آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ بیچنے والے کے ساتھ کسی بھی بھاؤ پر اتفاق کر لیں، جس پر آپ دونوں راضی ہوں ،اگر وہ آپ کو سارا کا سارا وزن کر کے ایک ہی بھاؤ میں دینا چاہے ، جس پر آپ دونوں متفق ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہاں دو مختلف جنسوں کی بیع کی جا رہی ہے ،یعنی آپ یہ چاہتے ہیں کہ کنگن کو نقدی نوٹ سے خرید لے ، تو یہاں بیچنے والے کے لیے یہ

جائز ہے کہ وہ ملاوٹ شدہ دھات سمیت پورا کنگن تول لے اور باہمی طے شدہ قیمت پر آپ کو بیچ دے، یعنی یہ جواز اس وقت ہے جب آپ سونے کے علاوہ کسی اور دھات کے بدلے سونا خریدنا چاہیں۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

15 شوال 1436ھ

بمطابق جمعہ 31 جولائی 2015ء

فہرست

پاکستان کے ایٹمی ہتھیار دشمنوں کے خلاف امت اسلامیہ کی ڈھال ہیں

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

گرتی ہوئی معیشت، مایوسی کی شکار فوج، اندرونی مسائل اور انتہائی مشکل وسط مدتی انتخابات کا سامنا کرنے والے امریکی صدر جو بائیڈن نے امریکی عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے امت اسلامیہ کے خلاف اپنی زہریلی فطرت کا ایک بار پھر اظہار کیا ہے۔ 13 اکتوبر 2022 کو بائیڈن نے کہا، "پاکستان شاید دنیا کی خطرناک ترین اقوام میں اس کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پر مبنی تبصرے نے پاکستان کے "سے ایک ہے۔ (اس کے) جوہری ہتھیار غیر منظم ہیں۔ اندر ایک بحث چھیڑ دی، اور بعض تبصرہ نگاروں نے سوال اٹھایا کہ کہیں پاکستان کے حکمران پاکستان کی دگرگوں معاشی حالات اور غربت کو بہانا بنا کر ایٹمی ہتھیاروں سے ہی دستبردار نہ ہو جائیں!

اے پاکستان کے مسلمانو! بائیڈن نے آپ کے خلاف اپنا بغض، عداوت اور دشمنی واضح کر دی ہے، اس لیے اسے دندان شکن جواب دینا لازمی ہے۔ یہ امر شک و شبے سے بالاتر ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں پر کوئی کمپرومائز نہیں ہو سکتا خواہ ہمیں اپنے پیٹ پر پتھر ہی کیوں نہ باندھنا پڑیں۔ مسلم امت کے پاس ہر صورت امریکہ کے خلاف موثر دفاعی صلاحیت (ڈیٹرنس) موجود ہونا چاہیئے، کیونکہ امریکہ وہ ریاست ہے جس کی درندگی سے جنگل کے درندے بھی شرماتے ہیں۔ جہاں تک غربت اور بدترین معاشی حالات کا تعلق ہے، جسے پاکستان کے حکمران ہماری سلامتی پر کمپرومائز کرنے کے لیے جواز بناتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ استعماری معاشی نظام، یعنی سرمایہ داریت ہے، جسے یہی حکمران بائیڈن کے حکم پر ہی ہم پر نافذ کرتے ہیں۔

اے افواج پاکستان! بائیڈن نے آپ کے خلاف اپنے خوفناک عزائم واضح کر دیئے ہیں، تو جو تم پر تنقید کرے؟ بائیڈن تم پر تو ایٹمی ہوتا کون ہے تم بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ بائیڈن

ہتھیاروں کے حوالے سے تنقید کرتا ہے جبکہ ہندو ریاست کو کیل کانٹوں سے لیس کرنے میں بھرپور ایٹمی دفاعی) مدد دیتا ہے، خواہ وہ ایٹمی ہتھیار ہوں یا روایتی۔ بائیڈن آپ کے نیوکلیئر ڈیٹرنس کے بارے میں تنقید کرتا ہے، لیکن آپ سے یہ مطالبہ بھی کر رہا ہے کہ آپ اس کے(صلاحیت لیے افغانستان کے دروازے کھلے رکھیں ، وہ بھی بعد اس کے، کہ اسے افغانستان میں ناک رگڑ کر ذلت آمیز فوجی شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ تو بائیڈن کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ آپ پر تنقید کرے اور برا بھلا کہے، جبکہ آپ یہ اہلیت رکھتے ہیں کہ ایک مخلص اسلامی قیادت کے زیر سایہ آپ امریکہ کے تمام علاقائی منصوبوں کو گھنٹوں میں ملیا میٹ اور برباد کر سکتے ہیں؟

اے افواج پاکستان ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بائیڈن آپ کو تنقید کا نشانہ بنائے اورآپ اس کے دانت کھٹے نہ کریں؟ آپ دنیا کی نویں سب سے طاقتور مسلح افواج اور دنیا کی ساتویں بڑی فوج ہیں۔ آپ اُن سرزمینوں میں موجود ہیں کہ جسےاللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر طرح کے مادی وسائل سے نوازا ہے، اور یہ وہ علاقے ہیں جو پہلے بھی اسلامی حکومت کے زیر سایہ خوشحالی اور ترقی کا گہوارا تھے، اور ایسا ہی ایک بار پھر اسلامی حکمرانی کے تحت ہو گا۔آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں، اور یہ ایمان آپ کی مادی صلاحیتوں میں زبردست اضافہ کرتا ہے جب آپ اللہ کی راہ میں فتح اور شہادت کی تلاش میں لڑتے ہیں۔ تو آپ بائیڈن کی لعنت ملامت کو کیسے قبول کر سکتے ہیں، جیسا کہ ایک آقا غلام کو برا بھلا کہتا ہے؟

اے افواج پاکستان ! یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کے تحت حکمرانی ہی ہو گی جو امت اسلامیہ کی عزت، سلامتی اور خوشحالی کو بحال کرے گی۔ یہ آپ ہی ہیں جو وہ تبدیلی لائیں گے جس کے بدلے میں تم مسلمانوں کی دعاؤں اور اس جنت کے حقدار ٹھہرو گےجو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام

کے لیے اپنی نصرت فراہم کریں ۔ خلافت کو دوبارہ قائم کریں جو آپ کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی آپ کے دشمنوں کے اندر خوف پیدا کر دے گی اور آپ کے متحرک ہونے کے بعد وہ ،ذلت آمیز پسپائی اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا

﴿وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾

"اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں"(سورۃ ابراہیم،14:20)

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)